احکامات سے پہلے عملی تصویر پیش کی تھی اور آج ہم پریکٹیکل پیش کرنے کی بجائے صرف تھیوری پر اکتفا کر رہے ہیں۔غیروں نے ہماری تھیوریز (قرآن واحادیث) کو ہم سے زیادہ پڑھا اور سمجھا ہے اسی لیے انھیں اسلام سے ڈر اور خوف ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی تھیوری کے ساتھ پریکٹیکل کی ضرورت ہے۔ایک مثال کے ذریعے عمل کی اہمیت کو سمجھیں۔ ہمارے تعلیمی ادارے میں پچیس سالوں سے ایک غیر مسلم خاتون سروس کر رہی ہیں مگر ہمارا پورا اِسٹاف مل کر اسے اسلام سے متاثر نہیں کر پایا جب کہ وہ اپنے اصول، زبان اور بیان کے اعتبار سے تمام مسلمانوں میں ممتاز ہے۔اسی کے برعکس ہمارا ایک ٹیچر غیر کے ادارے میں جا کر انہی کے رنگ میں رَنگ جاتا ہے۔غیروں کو ہم نے اپنے عمل کے ذریعے سے اسلام کے قریب کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ مسلمان چوری، ڈکیتی، زِنا، مرڈر، جھوٹ، فریب، دغا، جھوٹی گواہی، سود خوری اور اَنگنت اخلاقی برائیوں کا شکار ہیں۔ غیروں اور مسلمانوں کے مابین ایسی کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی جو مسلمان کو ممتاز کرے۔ جب کہ ہماری تھیوریز میں مذکورہ تمام باتوں کی ممانعت موجود ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ اسلام کے خلاف ہونے والی زہر افشانیوں کی سب سے بڑی وجہ کہی نہ کہی ہم خود ہے۔تین طلاق پر جب بات کی جاتی ہے تو مثبت طریقے سے قانونی لڑائی لڑنے کی بجائے ہم سڑکوں پر اُتر آتے ہیں، میمورنڈم دیے جاتے ہیں اور جلسوں جلوسوں میں بے ہنگم بھیڑ اِکھٹّا کی جاتی ہے۔ہونا تو یہ چاہیے کہ ہندوستان میں موجود تمام مذاہب میں ہونے والی طلاقوں کا تناسب نکالا جاتا، مسلم سماج میں ہونے والی والی طلاقوں پر روک لگائی جاتی اور جو عورتیں طلاق شُدہ ہے ان کی کفالت اور ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش کا انتظام کیا جاتا مگر افسوس! ہمارے سماج میں ایشوز اور اس کے اِزالے پر توجہ نہیں دی جاتی ۔اولڈ ہاؤس ، یتیم خانے اور کفالت خانے بنانے کی بجائے اچھی خاصی بنی بنائی مسجد اور مدرسے کو منہدم کر کے تعمیر جدید کروانے کا جنون سوار ہے۔آخر غیروں کو اسلام کے خلاف بولنے والی عورتیں کہاں سے مل جاتی ہیں؟ غیروں کے پہنچنے سے پہلے ہم خود ان تک کیوں نہیں پہنچ پاتے ؟ کیوں ان کی فریاد نہیں سُنی جاتی ؟ اگر وہ ایکٹر یا ایکٹریس ہیں اور روپیوں کی خاطر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں تو انھیں تلاش کر کے کورٹ کی دہلیز تک پہنچا کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے کیوں نہیں پہنچایا جاتا؟ آخر بیان بازیوں کا یہ منفی سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟ اربابِ سیاست اور اہلِ علم اپنے مفاد کے لیے کب تک قوم کو مسائل میں اُلجھاتے رہیں گے؟ شاید اسی لیے شاعر مشرق نے کہا تھا۔

الٰہی یہ ترے سادہ دل بندے کدھر جائیں

اسلام کے خلاف بیان بازیوں اور زہر افشانی کی بات کی جائے تو اس اَمر میں میڈیا بھی دودھ کا دُھلا نہیں ہے۔آئے دن اسلام مخالف موضوعات پر ڈبیٹ (بحث ومباحثہ) کرانا میڈیا ٹیم کے لیے ٹی آر پی بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ان پروگرامات میں مختلف لوگوں (نام نہاد ایکسپرٹ) کو بلایا جاتا ہے۔ یا یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اسلام مخالف ذہن رکھنے والوں کو مدعو کیا جاتا ہے اور اسلامی تصور پیش کرنے کے لیے منجھے ہوئے عالم کو بلانے کی بجائے ایسوں کو لایا جاتا ہے جو کم علمی اور کج روی کا شکار ہوتے ہیں۔ڈبیٹ کے دوران ایسے افراد اغیار کے سوالات کا جواب نہیں دے پاتے ہیں اور ان کی لاجوابی اور خاموشی اسلام کی بدنامی کا باعث بنتی ہے۔درحقیقت میڈیا کا منصوبہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ڈبیٹ میں اسلامی اسکالر کے نام پر ایسے کمزوروں کو بُلایا جائے جن کو دورانِ گفتگو خاموش کرایا جا سکے اور یہ ناسمجھ اور کمزور صفت لوگ سستی شہرت اور محض ٹی وی پر آنے کے شوق میں مسلمانوں کی رُسوائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔اربابِ علم کو چاہیے کہ اس امر میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور متفقہ طور پر فیصلہ صادر کریں کہ اس طرح کے ٹی وی پروگرامس میں کوئی بھی شریک نہ ہو۔ہاں اگر کوئی اس پایے کا عالم ہو کہ نہ صرف مختلف زبانوں بلکہ متعدد علوم وفنون کا بھی ماہر ہو جو ہر اعتراض کا دندان شکن جواب دے سکے تو بات جدا ہے۔رہی بات میڈیا اور اسلامی موضوعات کے وضاحت اور ہندوستانیوں کی ذہن سازی کی تو ہمیں چاہیے کہ ہم میڈیا کو یقین دلائیں کہ آپ ہمارے دارالعلوم، دارالقضاء اور دارالافتاء میں تشریف لائیں، ہم آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں اور یہاں آ کر ہمارے جید، مستند اور ذی علم علمائے کرام سے سوالات کریں، ان شآء اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کی میراث سے حصہ پانے والے یہ علمائے کرام میڈیا اور فرقہ پرستوں کے ذریعے کھڑے کیے جانے والے ہر فتنے کا اپنے جوابات کے ذریعے مکمل سدّ باب کریں گے۔

سیاسی شعور کی بات کی جائے تو وہ بھی ہم میں ناپید ہے۔کسی کے

بہلاوے میں ہم بہت جلد آجاتے ہیں اور جنھیں ہم اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں وہ قوم کا سودہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔اس کی سب سے بڑی وجہ حکمت عملی کی کمی، منصوبہ بندی کا فقدان اور سیاسی وژن کا نہ ہونا ہے جس جماعت پر ساٹھ ستّر سال قبل پابندی لگانے کی بات ہو رہی تھی آج وہی جماعت اپنے نمائندے ایوان میں مسلسل بھیج رہی ہے۔ہماری جماعتیں تو صاف وشفاف ہیں، مسلم جماعتوں کے قائدین نے آزادیِ ہند کے لیے اپنی شریانوں سے خون بہایا ہے، اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ غیروں نے جتنا پسینہ نہیں بہایا ہے اس سے کہی زیادہ ہمارے رہبروں، رہنماؤں اور قائدین نے اپنا خون بہایا ہے، مسکراتے ہوئے تختۂ دار کو بوسہ دیا ہے اور انقلاب کی چنگاری کو آزادی میں تبدیل کیا ہے۔باوجود اس کے سیاسی میدان میں ہمارے وقعت محض کٹھ پُتلی جیسی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ بی جے پی کو ہرانے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی منصوبہ ہی نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ راقم بی جے پی کی حمایت کر رہا ہے۔یہاں مقصد کسی کی حمایت یا مخالفت کرنا نہیں ہے بلکہ فکر وشعور کی بالیدگی مقصود ہے۔ہر سیاسی جماعت کے منشور اور ان کے عملی اقدام پر طائرانہ نظر دوڑائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی بھی جماعت مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں ہے۔کوئی کُھلا دشمن ہے تو کوئی چھُپا۔ایسے میں ہمیں صرف مسلمان بننا ہے۔کسی کی نیّا میں سوار ہوکر اپنی کشتی ہرگز نہیں تیرائی جاسکتی، اپنی کشتی کی نگہبانی ہمیں خود کرنا ہوگی، کسی جھولی میں بھیک میں پڑے سکّوں کی مانند پڑے رہنے سے بہتر ہے کہ ہم اپنی اہمیت کو جانیں، سمجھیں اور اپنا استحصال ہونے سے محفوظ رہیں۔ہم چاہے جتنے بھی آزاد خیال ہوجائیں، ہم چاہے اسلام سے زیادہ کسی کو بھی چاہنے لگیں، ہم چاہے احکامِ خداوندی سے زیادہ غیروں کی باتیں مانیں تب بھی بحیثیت مسلمان ہمیں مرنا ہی ہوگا۔

ملیشیا، افغانستان، عراق، اُندلس، ایتھوپیا وغیرہ کے نظارے ہمارے لیے درسِ عبرت ہے۔وہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں غیروں سے کرتے تھے، ان کی محفلوں کی رونق بنتے، بلکہ صرف ان کا نام اسلامی تھا کام مکمل غیر اسلامی۔پھر بھی ان کے گلوں پر چھریاں پھیری گئیں، ان کی عورتوں کے بطن سے ناجائز اولادیں پیدا کی گئیں اور ان کے ننھے ننھے زندہ بچوں کے جسموں پر گھوڑے دوڑا دیے گئے۔چاہے ہم اسلام سے جتنی دوری اختیار کرلیں اور احکامِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی چاہے بغاوت کرلیں مگر بہر حال مرنا ضرور ہے۔جب مرنا ہی ہے تو کیوں نہ ہم اسلام پر مرے تاکہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو اور جنت الفردوس کی نعمتیں ہمارا استقبال کر رہی ہوں۔

ہمارے دروازوں پر ہر روز دی جانے والی دستک اس بات کی جانب اشارہ کر رہی ہے کہ اسلام کی جانب لوٹ آنے کا وقت آگیا ہے۔ایک چرواہا جب بکریاں چراتا ہے تو ساتھ میں کچھ کُتّے بھی رکھتا ہے تاکہ ریوڑ سے الگ ہوجانے والی بکریوں کو وہ کُتّا بھونک کر اور کانٹ کر دوبارہ ریوڑ میں لے آئیں۔ہم بھی اپنے ریوڑ سے دور جاچکے ہیں۔طاغوتی قوتوں کے موجودہ کُتّے اور بھیڑیوں نے ہم پر بھونکنا شروع کردیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ کاٹنا بھی شروع کردیں لوٹ آئیں اپنے ریوڑ میں۔پناہ حاصل کرلیں خدائے عزوجل کی۔جس دن ہم اپنے مذہب پر لَوٹ آئیں گے ان شآ اللہ تعالیٰ اس دن سے ہماری عظمت وشوکت کا ڈوبا ہوا سورج پھر طلوع ہوگا، مدینۂ منورہ سے نوارانی کرنیں ہمارے حوصلوں کو جلا بخشیں گی اور اسلامی پرچم پوری شان وشوکت کے ساتھ اکناف عالم میں عام ہوگا۔

ہندوستان کی تاریخ میں ہمارے مثبت رویے، عملی نمونے اور علمی اثاثے کے ترانے موجود ہے۔جب مسلمان مالابار، سندھ اور شمالی ہندوستان کے علاقوں میں تھے اس وقت دونوں کی تہذیب وثقافت جدا تھی، افکار، نظریات، خیالات اور تصورات میں زمین وآسمان سا فرق تھا، زبان وبیان میں اختلاف۔ ہند کے باشندے داعیانِ دین کی زبان سے آشنا تھے اور نہ ہی مسلمان ہندوستان میں رائج سنسکرت، پراکرت، مقامی بولیاں اور بُرج بھاشاؤں سے واقف تھے، مسلمانوں کی انسانیت نوازی، غربا پروری اور خدمت خلق سے متاثر ہوکر ہر خاص و عام نے مذہب اسلام کو قبول کیا۔آج بھی منفی بیان بازیوں کا سلسلہ کم ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہم مسلمان ہوجائے۔

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

☆☆☆

☆مبلغ سنی دعوت اسلامی (جزنلسٹ) مالیگاؤں
ضلع ناسک، مہاراشٹر (انڈیا)9270969026

شخصیات اسلام

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

حاجی عبد العزیز سیوانی کے خط لکھنے پر عبد العزیز محدث مبارک پوری نے مولانا عبد العزیز بستوی کو بڑہریا سیوان بھیجا

محمد ولی اللہ قادری★

۱۷ ررجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۵، اپریل ۲۰۱۷ء کو بہار انٹرمیڈیٹ امتحان کی کاپی جانچ کی ذمہ داری نبھانے مصروف تھا کہ قریب چار بجے شام، مولانا حیدر رضا، صدر مدرس، مدرسہ اسلامیہ محمدیہ، لکھنی، باراچکیا، مشرقی چمپارن کا فون آیا۔ انھوں نے اطلاع دی کہ ضیغم اہل سنت حضرت علامہ عبد العزیز خاں قادری اب دنیا میں نہیں رہے۔ اس خبر پر راقم الحروف کو یقین بایں وجہ نہیں آیا کہ حضرت سے دو ہفتہ قبل ہی فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ فوراً سے پیش تر میں نے حضرت کے صاحب زادے مولانا عقیل احمد مصباحی کو فون کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ خبر بالکل درست ہے۔ حضرت کا انتقال دو پہر پونے ایک بجے ممبئی میں ہوگیا ہے۔ خبر کی تصدیق ہوجانے کے بعد راقم کی حالت عجیب وغریب ہوگئی۔ سب کام چھوڑ کر اپنی رہائش گاہ کریم چک آ گیا، روزنامہ انقلاب کے نمائندہ برادرم شمشیر عالم کو حضرت کے وصال کی خبر دی تو وہ بھی حیرت میں پڑ گئے۔ ہماری حالت یہ ہوگئی کہ نمائندہ انقلاب نے اخبار میں خبر کی اشاعت کے لیے حضرت کے متعلق جو سوالات راقم سے کیے، ان کا صحیح جواب بھی نہیں دے پا رہا تھا پھر بھی اگلے دن روزنامہ انقلاب میں راقم کے حوالے سے یوں خبر شائع ہوئی:

حضرت کے وصال کی تصدیق کے بعد ان کی کرم فرمائیاں اور احسانات ایک ایک کر کے نہاں خانے میں دستک دینے لگے اور دل اس قدر مغموم ہوا کہ لاشعوری طور پر غالب کا یہ مصرع ذہن میں آ گیا کہ کاش : ع

کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

استاذ مکرم کے نام کی شناسائی پہلی مرتبہ دوران طالب علمی مدرسہ حیدریہ ضیاء العلوم، منگلا پور، کلیان پور، مشرقی چمپارن میں ہوئی۔ وہاں کے اساتذہ کرام بالخصوص مولانا سید محمد فضل اللہ نوری، صدر مدرس اور مفتی عطاء الرحمان مصباحی، مدرس مذکورہ مدرسہ سے حضرت کا تذکرہ سنتا رہا، اپنے علاقے میں منعقدہ مذہبی جلسہ کے اشتہارات میں حضرت کا نام باصرہ نواز ہوتا رہا لیکن حضرت کی پہلی بار زیارت ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔ مذکورہ مدرسہ میں علم حاصل کرنے کے بعد جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سیوان حاضر ہوا، تو حضرت کی محض زیارت ہی نہیں ہوئی بلکہ ان کے تلامذہ میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ راقم کی خوش بختی یہ رہی کہ بار بار حضرت کی خدمت کا موقع فراہم ہوا۔

حضرت کا معمول تھا کہ فجر کی نماز سے قبل غسل فرماتے اور اکثر وبیش تر نل سے پانی بھرنے کا شرف خاک سار کو ہی حاصل ہوتا۔ چار پانچ سالہ قیام کے دوران راقم نے حضرت کے اندر یہ خصوصیت بھی دیکھی کہ حضرت نابالغ طالب علم سے کسی طرح کی مدد نہیں لیتے بلکہ وضو کے دوران تو وہ بالغ یا نابالغ کسی بھی طالب علم سے مدد نہیں لیتے تھے۔ وضو کا پانی ہمیشہ خود لیتے تھے، کسی بھی طالب علم سے وضو کا پانی نہیں منگواتے۔ البتہ حضرت وضو کے پانی کے لیے پہل کرتے تو کوئی نہ کوئی طالب ضرور حضرت کے ہاتھ سے لوٹا لے لیتا تھا۔ پہلے پہل بات سمجھ میں نہیں آئی لیکن جب راقم نے فقہ کی کتابیں پڑھی تو معلوم ہوا کہ وضو میں بلا عذر کسی سے مدد لینا فقہا کے نزدیک مکروہ ہے۔ حضرت یہ کیسے گوارا کرتے کہ ان کا وضو مکروہات سے پاک نہ ہو۔

حضرت ضیغم اہل سنت سے راقم الحروف نے، پنج گنج، جواہر المنطق، مرقات، شرح تہذیب، قطبی تصدیقات اور شرح وقایہ پڑھی ہے۔ حضرت کے تدریس کا معمول یہ تھا کہ ابتدائی درجات کے طالب علم سے سبق روزانہ سنتے اور آموختہ پر زور دیتے جب کہ اعلیٰ درجہ کے طلبا کو عبارت خوانی کی ترغیب دلاتے۔ حضرت کے ذمّے ملت کی دیگر ذمہ داریاں تھیں، اس کے باوجود حضرت طلبا کو بلا ناغہ پڑھاتے۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو بعد نماز فجر یا درس گاہ کے اوقات سے قبل ہی ساری جماعت کو بلا کر پڑھا دیتے۔ حضرت اخیر عمر تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ حضرت کی شخصیت یوں

منفرد نظر آتی ہے کہ انھوں نے ایک استاد کی حیثیت سے ہی اپنی شناخت بنا کر رکھی۔ ہر چند آپ مذہبی جلسوں میں تشریف لے جاتے اور زوردار تقریر کرتے، لیکن آپ نے درس وتدریس کو ہمیشہ فوقیت دی اور آپ نے تقریر کو ثانوی درجہ دیا۔ درس وتدریس کو حضرت نے عبادت سمجھ کر انجام دیا۔ درس وتدریس کے دوران حضرت اسباق کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی گفتگو فرماتے اور اپنے اساتذہ کرام اور اپنے طالب علمی کے زمانے واقعات بھی بتادیتے تا کہ طلبہ کوان باتوں سے ترغیب ملے۔

یاد آتا ہے کہ حضرت نے اپنی طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ سنایا جو خیر سے ان کی شخصیت کے متعلق ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اشرفیہ میں ایک ایسا ناگفتہ دور آیا کہ حافظ ملت کو ہم اور ہمارے تین ساتھیوں کو اشرفیہ سے خارجہ کرنا پڑا۔ حضرت حافظ ملت نے مجبوراً عارضی خارجہ فرمادیا، لیکن انھوں نے اپنے خط کے ساتھ دارالعلوم علیمہ دامودر پور مظفر پور بھیجا جہاں ہم لوگوں کا داخلہ ہوگیا۔ وہاں ہم لوگوں نے تین ماہ گزارا پھر اشرفیہ واپس آگئے۔ طلبا سے یہ تھی حافظ ملت کی ہمدردی۔

حضرت ضیغم اہل سنت نے اپنے استاد حافظ ملت کے نقش قدم پر زندگی بھر عمل کرنے کی خوب سعی فرمائی اور وہ اس سلسلے میں کامیاب بھی ہوئے۔ حضرت محنتی اور باذوق طلبا کو عزیز رکھتے تھے۔ مدرسہ کے طلبا کی محض تعلیم و تربیت پر ہی نظر نہیں رکھتے بلکہ ان کے خورد ونوش کا بھی خیال فرماتے۔ مولانا ثناء اللہ مصباحی سیتامڑھی نے راقم کو بتایا کہ حضرت کی یہ عادت تھی کہ اگر کسی طالب علم کا کھانا گھٹ جاتا، یا کم پڑ جاتا تو حضرت اپنے حصّے کا کھانا اُس طالب علم کو کھلا دیتے اور باہر جا کر کچھ کھا لیتے تھے۔ کبھی کبھار حضرت اپنا کھانا طالب علم کو کھلا کر بسکٹ وغیرہ پر قناعت فرمالیتے۔

طلبا کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا گواہ ایک روز راقم بھی بن گیا۔ ایک مرتبہ رات میں راقم مطبخ میں تاخیر سے پہنچا، اس وقت حضرت محفل میلاد سے تشریف لاچکے تھے۔ حضرت کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ کھانے کے وقت حضرت اگر مدرسہ مین رہتے تو مطبخ میں ایک نظر ضرور ڈال لیتے تا کہ کسی طالب علم کو کھانا کے متعلق شکایت نہ رہے۔ اس روز حضرت حسبِ معمول مطبخ میں تشریف فرما ہوئے اور دیکھ لیا کہ راقم کو روٹیاں کم ملی ہیں۔ حضرت بے چین ہو گئے۔ راقم ان روٹیوں کو تناول کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت نے آواز دی۔ میں جب تک ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اس سے قبل حضرت نے ہی خاک سار کے کمرہ میں جلوہ فرما ہو کر ایک روٹی عنایت کردی۔ حضرت کے اس عمل سے راقم حیرت زدہ رہ گیا۔ حضرت کے وصال کے بعد جب جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو خیال آتا ہے کہ ایسا کارفرما استاد ملنے والا کہاں!

حضرت ضیغم اہل سنت نے جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا کے ذریعہ جو علمی خدمات انجام دیں، اس سے انکار ممکن نہیں۔ حضرت نے ایک مکتب کو جامعہ بنادیا اور تعلیم کا ایسا ٹھوس نظام قائم فرمایا کہ دور دور کے طلبا نے یہاں آ کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ایک اندازہ کے مطابق یہ بہار کا واحد علمی ادارہ ہے جہاں اشرفیہ کا نصاب رائج رہا ہے۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکشن بورڈ، پٹنہ سے ملحق ہوجانے کے بعد بھی حضرت نے نصاب میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ البتہ درس نظامی کے لیے حسبِ ضرورت بورڈ سے تنخواہ یافتہ کے اساتذہ کے علاوہ پرائیوٹ طور پر بھی اساتذہ بحال کیے۔ یہاں واضح کردوں کہ مدرسہ بورڈ کے نصاب کو من وعن قبول کرنے میں بہت سی قباحت تھی اس لیے حضرت نے ترمیم کی۔ پرنسپل اور سکریٹری کے جو خصوصی اختیارات ہیں ان اختیارات کا بھرپور استعمال جامعہ میں کیا گیا۔

استاذ مکرم علامہ عبدالعزیز خاں قادری علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی انکساری اور صوفیانہ انداز میں گذاری۔ آپ کی سادگی اور طرز زندگی پر ہزاروں رعنائیاں قربان تھیں۔ حضرت اگر چاہتے تو شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے لیکن انھوں نے امیری پر فقیری کو ترجیح دی۔ حضرت کی زندگی کا ایک ہی منشا تھا کہ جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا کا نام روشن ہو، اور اس سے طالب علم زیادہ سے زیادہ اپنی زندگی کو خوبصورت بنائیں۔

حضرت کی انکساری کا ہی نتیجہ ہے کہ دو دو جگہ سے اجازت وخلافت کے باوجود حضرت نے کسی کو بھی مرید نہیں کیا۔ ایک مرتبہ اجازت وخلافت کے سلسلے میں راقم نے حضرت سے سوال کیا تو انھوں نے راقم سے فرمایا کہ اس بات کو ہرگز نہیں لکھیں گے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت نے کسی کو تعویز بھی لکھ کر نہیں دیا۔ کوئی شخص آپ سے تعویذ کا مطالبہ کرتا تو آپ اس شخص کو مولانا عالمگیر مصباحی صاحب کے ہاں بھیج دیتے۔ جامعہ کے خاص معاون ہونے کی بات ہوتی تو مولانا عالمگیر مصباحی صاحب سے تعویز لے کر اُسے عنایت فرمادیتے۔ آپ اپنی شہرت کے خواہاں نہیں بلکہ آپ کی خواہش تھی کہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا پرچم لہراتا رہے اور لوگ اس پرچم کے نیچے اپنی مذہبی زندگی گذارتے رہیں۔

حضرت تصویر کشی کے سخت مخالف تھے۔ کسی بھی جلسے میں اگر تصویر کشی ہوتی تو حضرت سخت ناراض ہوتے اور سختی سے اس کو روکتے۔ اس وقت

حضرت بار بار یہ فرماتے کہ تصویر لینے والا شخص جلد از جلد تصویر کو مسخ کرے ورنہ محشر میں اس کا دامن پکڑوں گا۔ یاد آتا ہے کہ پہلی دفعہ اخبار میں راقم کا پہلا مضمون مع تصویر شائع ہوا، تو حضرت سخت ناراض ہو گئے اور حضرت نے نہ صرف تنبیہ فرمائی بلکہ توبہ بھی کروایا۔ ضیغم اہل سنت کا محبوب نظر وہ شخص ہوتا جو اعلیٰ حضرت کا سچا عقیدت مند ہوتا۔ اس کی تعظیم و توقیر میں حضرت انتہا کر دیتے اور جو اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہل سنت سے بغض رکھتا، اس سے دور رہتے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کے نام پر فتنہ برپا کرنے والے مولوی سے حضرت کو حد درجہ تکلیف پہنچتی۔ علمائے اہل سنت کے درمیان واقع اختلاف کے دوران آپ نے ہمیشہ راہ اعتدال اختیار کی۔ بایں سبب دونوں طبقوں کے علما نے آپ کو محبوب نظر رکھا۔ البتہ مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سلسلے میں منفی نظریہ رکھنے والے افراد کو بروقت ٹوک دیتے۔ اس طرح علمائے اہل سنت کے عقیدہ پر عمل پیرا، افراد کی تعریف میں بھی بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ اس قدر اُن کو سراہتے کہ وہ شرمندہ ہو جاتا۔

حضرت ضیغم اہل سنت نے ایک روز بتایا کہ مولانا سید خورشید جمالی پرنسپل مدرسہ وارث العلوم چھپرا کے سلسلے میں سنتے آیا تھا کہ وہ پھلواری شریف والے نظریات کے حامل ہیں، اس لیے ان سے جب پہلی ملاقات ہوئی تو ان سے یہی سوال کیا کہ اعلیٰ حضرت نے جن علما کے سلسلے میں کفر کا فتویٰ دیا ہے، ان علمائے دیوبند کے بارے میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟ حضرت کے تیور کو دیکھنے کے بعد مولانا خورشید جمال کو حیرت ہوئی لیکن انھوں نے جواب دیا کہ میں اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کو من وعن صحیح مانتا ہوں اور میرا نظریہ اعلیٰ حضرت کے قول کے مطابق ہے۔ اتنا جواب سننے کے بعد حضرت نے جھک کر مولانا سید خورشید جمال کے ہاتھ کو چوم لیا، حضرت کے اِس عمل سے مولانا کو مزید حیرت ہوئی۔

حضرت ضیغم اہل سنت کی علمی اور تعلیمی خدمات کا نتیجہ ہے کہ سارن کمشنری بالخصوص سیوان اور گوپال گنج میں سعودیہ کی وبائے بدعقیدگی، وہابیت اور غیر مقلدیت کی بلا کوئی خاص اثر نہیں کر سکی۔ حالاں کہ سیوان اور گوپال گنج کے بہت سے مسلمان سعودیہ عرب میں ملازمت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بہار کے دیگر اضلاع کی نسبت ان دونوں اضلاع میں بدعقیدے کم ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حضرت محض زبان کے غازی نہیں بلکہ عمل کا غازی تھے۔ ان کے قول و فعل میں یکسانیت تھی۔ جو کہتے وہی کرتے تھے۔ آپ نے بدعقیدوں سے جنگ محض زبان سے نہیں کی بلکہ آپ نے ایسا کردار پیش کیا کہ بدعقیدے خود بہ خود زیر ہوتے چلے گئے۔ عصر حاضر میں بدعقیدوں کے خلاف تقریر کرنا ایک فیشن ہو گیا ہے لیکن بدعقیدوں کے مکر وفریب سے سنی عوام کیسے محفوظ رہ سکیں، اس سلسلے میں کم علما ہی مخلص ہیں۔ ان مخلص علما میں حضرت کی ذات نمایاں تھی۔

حضرت کے کردار اور حسن تدبیر کی ایک مثال پیش کر دوں تاکہ بات ادھوری نہ رہ سکے۔ بڑہریا بازار میں بدعقیدوں نے سعودیہ کے پیسے سے مسجد بنانا شروع کی تو سنی عوام جذباتی ہو گئے اور تشدد کا مظاہرہ کرنا چاہا تو حضرت نے سنی عوام کو تلقین فرمائی اور تشدد سے باز رکھا پھر آپ نے سنی مسجد کی تعمیر کے لیے کوشش شروع فرما دی۔ اللہ کے فضل و کرم سے جلد ہی مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور دیکھتے دیکھتے 'گلشن طیبہ مسجد' تیار ہو گئی۔ اب مسجد سہ منزلہ ہو گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے وقت حضرت کو جن صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کی تفصیلات راقم نے اپنے سابقہ مضمون میں لکھ دیا ہے۔ اس لیے تکرار کی یہاں گنجائش نہیں۔ گلشن طیبہ مسجد کے صدر ماسٹر مستقیم صاحب نے باتوں میں ایک دن کہا کہ حضرت اس وقت منع نہیں فرماتے تو بدعقیدوں کی مسجد تیار نہیں ہوتی۔ راقم نے دل ہی دل کہا کہ ماسٹر صاحب ایک پہلو کو دیکھ رہے ہیں، اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تشدد کے نتیجہ میں سنی عوام بھی ان کے ساتھ ہو جاتے۔ حضرت نے جو فیصلہ لیا وہ صدفی صد صحیح تھا۔ اب حال یہ ہے کہ اُس مسجد کے نزدیک کے دکان دار بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ مسجد جس حال پر تھی اب بھی اُسی حال پر ہے۔
حضرت نے آخری ملاقات (۱۰ر دسمبر ۲۰۱۶ء) کے دوران تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ گلشن طیبہ مسجد نے بڑہریا کے سنی عوام کے ایمان و عقیدہ کو محفوظ کر دیا۔ اگر یہ مسجد نہ ہوتی تو سنی عوام مجبوراً وہابیوں کی مسجد میں جاتے اور ان کے گمراہ کن عقیدہ سے ضرور متاثر ہوتے۔

مسجد کی گفتگو چل رہی ہے تو ایک بات اور عرض کر دوں کہ کہیں بھی کوئی مسجد تعمیر ہوتی یا مسجد کی زمین رجسٹری ہوتی، حضرت اس پر خاص نظر رکھتے تھے۔ مسجد کی زمین کی رجسٹری کے کاغذات اپنے سامنے لکھواتے یا وقف نامہ خود تیار کرواتے تھے۔ اس میں اس بات پر زور دیتے بلکہ لکھواتے تھے کہ یہ مسجد اہل سنت (بریلوی) کی ہوگی۔ اس مسجد کے امام اور اراکین سنی صحیح العقیدہ (بریلوی) مسلمان ہوں گے۔ کہیں بھی مسجد کی بنیاد رکھنی ہوتی تو حضرت کو بلایا جاتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تھی کہ سمت قبلہ کا صحیح معرفت رکھنے والے سارن ضلع میں آپ کے علاوہ شاید کوئی دوسرا تھا۔ سرکاری

ملازمت کی وجہ سے چھپرا کے مضافات میں راقم الیکشن کرانے کے لیے جہاں بھی گیا وہاں کے مسلمانوں کو حضرت کا عقیدت مند پایا۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ حضرت ہمارے گاؤں میں تقریر کرنے کے لیے آئے ہیں اور یہاں مسجد کا سنگ بنیاد حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا ہے۔

حضرت نے اپنے آپ کو مدرسہ اور مسجد کی تعمیر تک محدود نہیں رکھا بلکہ اہالیان بڑہریا کے علمی ذوق کا بھرپور خیال کرتے ہوئے ''رضا لائبریری'' کا قیام بھی فرمایا۔ اس لائبریری کی دومنزلہ عمارت اور لائبریری میں موجود قیمتی اور معلوماتی کتابیں حضرت کے ذوق مطالعہ کی گواہی دے رہی ہیں۔ راقم نے حضرت کو دیکھا کہ فرصت کے اوقات میں کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ درسی کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ مذہبی رسالے اور تقریری، کتابوں کے علاوہ علمائے دیوبند کی بدنام زمانہ کتابیں آپ کے مطالعے میں رہتی تھیں۔ تقریری کتابوں میں خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی کتاب ''خطبات نظامی'' ساتھ میں رکھتے۔

استاد مکرم حضرت علامہ عبدالعزیز خاں قادری علیہ الرحمہ مہمان نواز تھے۔ کوئی بھی شخص مدرسہ میں آتا حضرت ناشتہ چائے سے ضیافت فرماتے اور اس کو مدرسہ، مسجد اور لائبریری وغیرہ کا معائینہ کراتے۔ حضرت اپنے فارغین طلبا کو بھی مہمانی کا شرف بخشتے تھے۔ ناشتہ اور چائے پر جو بھی رقم صرف ہوتی اس کو اپنی جیب خاص سے ادا کرتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو مہمان کو کھانا کھانے پر مجبور کرتے اور حسبِ ضرورت ہوٹل سے اچھا سالن منگواتے۔ یہ صورت حال اس وقت تک رہی جب آپ کا قیام جامعہ میں رہا۔ آپ کا ذاتی مکان جب تیار ہو گیا تو مہمانوں کو اپنے مکان پر لاتے اور گھر کا کھانا کھلاتے اور خود گھر کا کھانا کھاتے۔ حضرت کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ مہمانوں خاص طور پر اپنے شاگردوں کو شرمندہ فرمادیتے۔

ایک مرتبہ کی بات ہے اور یہ بات ماضی قریب کی ہی ہے کہ راقم الحروف شام کے وقت حضرت کی زیارت کی غرض سے جامعہ حاضر ہوا۔ دست بوسی کے بعد حضرت کی خدمت میں تھوڑی دیر رہا۔ حضرت کسی ضرورت کے تحت اپنے حجرہ سے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی حجرہ سے باہر آ گیا، دیگر اساتذہ سے ملاقات کے بعد بڑہریا بازار چلا آیا۔ حضرت نے سمجھا کہ راقم جامعہ میں ہی کسی استاد کے پاس ہے اس لیے انھوں نے ناشتہ اور چائے منگوالی اور راقم کو آواز دینے لگے۔ جب کوئی جواب نہیں ملا تو حضرت نے جامعہ میں مجھے تلاش کیا۔ جب راقم کو نہیں پایا تو بڑہریا موڑ کے پاس پروفیسر علی احمد صاحب کے مکان پر تشریف لے آئے، وہاں راقم کو دیکھتے ہی از راہ شفقت ڈانٹنا شروع کر دیا کہ اپنے آپ کو جامعہ کا طالب علم کب تک تصور کرتے رہیں گے؟ اس کے بعد راقم جب بھی حضرت کے پاس جاتا، ان کی اجازت کے بغیر ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ حضرت کے وصال کے بعد بطور خاص یاد آتا ہے کہ ایسا مشفق استاد کہاں سے ڈھونڈ کر لا یا جائے۔

حضرت ضیغم اہل سنت کی یہ خصوصیت بھی ہمیں خاص متوجہ کرتی ہے کہ حضرت لین دین کے معاملات میں بالکل صاف ستھرا تھے۔ قیامِ بڑہریا سے آج تک راقم نے کسی سے بھی اس سلسلے میں شکایت نہ سنی۔ اسی طرح جامعہ کے اراکین نے کبھی بھی مال کے خرد برد کا الزام نہیں لگایا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت جامعہ کا ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ کہیں سے چندہ آیا، یا حضرت کے نام جاری رسید مکمل ہوگئی، تو حساب کتاب کے لیے رسید مولانا ہارون الرشید مصباحی کے حوالے کرتے اور جتنا حساب ہوتا، اتنی رقم حیلۂ شرعی کرا کر مولانا افتخار احمد قادری بیدمؔ سیوانی صاحب کے حوالے کر دیتے۔ ناگفتہ بہ حالات میں بھی مدرسے کا پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا نہ ہی مدرسے سے قرض لیا۔ ایک مرتبہ حضرت کو پیسے کی سخت ضرورت پڑ گئی تو حضرت اس وقت کے سکریٹری جناب محب الحسن صاحب کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ آج میں اپنی ضرورت کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ مجھے قرض چاہیے مگر اس شرط پر کہ اگر میں قرض ادا کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور میرے ورثا آپ کا مال واپس نہ کر سکیں تو براہِ کرم معاف کر دیں گے۔ یہ سننے کے بعد سکریٹری موصوف عرض گذار ہوئے کہ حضرت! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو جس قدر ضرورت ہے مال لے لیں۔ یہ واقعہ بتانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بہت جلد میرے پاس مال آ گیا اور میں نے سکریٹری صاحب کا قرض ادا کر دیا۔ اس پُرفتن دور میں معاملات میں حضرت جیسا شخص ملنا محال نہیں تو ناممکن اور مشکل ضرور ہے کیوں کہ لین دین کے معاملات کے سلسلے میں فی زمانہ ہم عصر علما پر روز بروز سوالات کھڑے کیے جا رہے ہیں بلکہ علما کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے مدرسے کا بانی کا شہرہ کر کے تعلیمی ادارہ کو تجارت کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اللہ پاک ویسے علما سے عوام الناس کو محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت ضیغم اہل سنت لالچی بھی نہیں تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان

کے چند عاقبت نااندیش شاگردوں کا اس سلسلے میں منفی نظریہ ہے۔ ان لوگوں کا الزام ہے کہ حضرت غریبوں کے یہاں پروگرام میں نہیں جاتے۔ حضرت کے کرم فرماؤں میں سے ایک صاحب نے راقم کے سامنے ایسا منفی نظریہ ظاہر کیا کہ حضرت پروگرام میں صرف امیروں کے یہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ راقم نے اس شخص سے کہا کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ حضرت کو پہلے جو دعوت دیتا ہے حضرت اس کی دعوت کو قبول کر لیتے اور وہاں جانا فرض سمجھتے کیوں کہ حضرت عہد کے پکے ہیں۔ رہی بات امیروں کو ترجیح دینے کی تو اس میں کون سی قباحت ہے۔ حضرت امرا کو ترجیح اگر دیتے ہیں تو اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ ادارہ کے ارتقا کے پیش نظر۔ میری اس گفتگو کے بعد بھی وہ شخص اپنی بات پر بضد تھا تو میں نے اس سے سوال کیا کہ حضرت ایک طویل مدت سے تقریری اجلاس کرتے ہیں اور دیگر مذہبی تقریبات میں شرکت کے لئے دور دور کا

سفر کرتے ہیں لیکن کیا آپ ایک بھی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ حضرت نے نذرانہ تو دور، زادِ سفر تک کا بھی کبھی مطالبہ کیا ہے۔ اس شخص کا جواب نفی میں تھا۔ میں نے کہا کہ جو شخص اجلاس کے سفر کے اخراجات تک کا مطالبہ نہ کرے، اُسے حریض اور لالچی کیوں کر کہہ سکتے ہیں؟

اس کے بعد راقم نے مثال پیش کیا کہ حضرت جنوری ۲۰۱۰ء میں راقم کا نکاح پڑھانے کے لیے ایک سو کیلومیٹر سے زائد کا سفر کیا۔ اسی طرح میرے برادر عزیز محمد سمیع اللہ کی نکاح خوانی کے لیے مئی ۲۰۱۵ء میں میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میرے نکاح کے وقت اس قدر شدید سردی پڑ رہی تھی کہ ہمارے بہت سے کرم فرما سردی کے سبب میری دعوت میں شریک نہ ہو سکے لیکن حضرت نے ضعیفی کے عالم میں بھی میرے غریب خانے کی رونق دوبالا کر کے سبھی کو حیرت میں ڈال دیا۔ میرے برادر عزیز کے نکاح کے وقت گرمی کا وہی عالم تھا پھر بھی حضرت نے اپنے عہد کے مطابق نکاح کی محفل میں تشریف لا کر راقم اور راقم کے خاندان والوں پر احسان عظیم فرمایا۔ دونوں موقعوں پر راقم نے حضرت کی خدمت میں معمولی نذرانہ پیش کیا تو حضرت نے فرمایا بابو! اس کی کیا ضرورت تھی۔ راقم نے عرض کیا کہ حضور! یہ نذرانہ نہیں بلکہ اِسے زادِ سفر سمجھ کر قبول فرمالیں۔ تب حضرت نے جزاك الله پڑھتے ہوئے قبول فرمایا۔

راقم کی خوش بختی ہے کہ حضرت نے راقم کو تین تین بار میزبانی کا شرف بخشا۔ دو بار تو نکاح خوانی کے موقع پر اور ایک بار دار العلوم رضویہ، بارا چکیا کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر۔ حضرت جلسہ گاہ میں تشریف لے جانے سے قبل راقم کے غریب خانہ پر تشریف لائے اور ماحضر تناول فرما کر ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔ جب دار العلوم رضویہ میں حاضر ہوئے تو وہاں کے اساتذہ کے سامنے میری غیر موجودگی میں بہت ساری دعاؤں سے نوازا۔ دار العلوم رضویہ کے اراکین نے ناشتہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ مولانا ولی اللہ نے اتنا کھلا دیا ہے کہ ایک دو روز تک تو کچھ نہ کھاؤں تو کچھ فرق پڑنے والا نہیں۔

حضرت صابر و شاکر تھے۔ آخری ایام میں حضرت کو جس قدر قلبی تکلیف دی گئی وہ قابلِ مذمت ہے اور یہ تکلیف عوام الناس کی جانب سے نہیں پہنچی بلکہ آپ کے شاگردوں اور علما کی طرف سے۔ راقم کا اندازہ ہے کہ حضرت نے اپنے جس شاگرد پر جس قدر غیر معمولی احسان فرمایا، ان کو ہر مصیبت سے نکالا۔

وہ انہی کا حصہ تھا آخری دو ملاقات میں راقم نے حضرت کو بہت رنجیدہ دیکھا۔ تب خیریت دریافت کی تو حضرت کا درد زبان پر آ گیا، فرمایا کہ افسوس کہ مدرسہ پہلے والا نہیں رہا۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ مدرسہ کو سنی عوام سے نقصان نہیں بلکہ علما سے ہو رہا ہے۔ آخری ملاقات (۱۰؍دسمبر ۲۰۱۶ء) کو ہوئی تھی۔

حاصل کلام یہ کہ جنازہ میں شرکت کی غرض سے بڑہریا پہنچا تو وہاں کی فضا نے الطاف حسین حالی کا یہ شعر پڑھنے پر مجبور کر دیا:

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا — شہر میں ایک چراغ تھا، نہ رہا

جب حضرت کی قبر پر مٹی ڈال رہا تھا تو ایسا محسوس ہوا کہ ان افراد کی قسمت پر بھی مٹی ڈال رہا ہوں جنھوں نے حضرت کی زندگی میں قدر نہیں۔ اس وقت راقم نے عالم تصور میں غور سے سنا تو قبر سے یہ آواز آ رہی تھی کہ ع

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

فاتحہ پڑھنے کے بعد جب لوٹا تو غم اِس قدر بڑھا بقول غالب کہ شکایت کی شکل اختیار کر لی

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

☆☆☆

☆استاذ، گورنمنٹ انٹر کالج (ضلع اسکول) چھپرہ (بہار)
9852234311

نقوش رفتگاں

مفتی اعظم دہلی کی شیر میوات پر شفقتیں

محمد رضا اشفاقی٭

خانقاہ مسعودیہ دہلی سے بالعموم ہندو پاک و بالخصوص دہلی و میوات میں بہت فائدہ ہوا۔ خانقاہ شریف کے بانی فقیہ الہند حضرت مفتی رحیم بخش المعروف شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۱۲۵۰ھ۔۱۳۰۹ھ) تھے جو کہ امام الاولیاء قطب پنجاب حضرت سید امام علی شاہ مکانی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳ شوال المکرم ۱۲۸۲ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ فقیہ الہند علیہ الرحمہ کے بہت خلفاء ہوئے مگر سلسلہ کا اجراء عالمی طور پر آفتاب میوات حضرت مولانا رکن الدین نقشبندی الوری علیہ الرحمہ (متوفی ۲۰ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ) کے ذریعہ ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفۂ برحق مفتی اعظم دہلی حضرت مفتی مظہر اللہ نقشبندی دہلوی علیہ الرحمہ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۶ھ) و آپ کے لائق و فائق شہزادے حضرت مفتی محمود نقشبندی الوری علیہ الرحمہ (۱۳۲۲ھ۔۱۴۰۹ھ) نے سلسلہ کو آگے بڑھایا مفتئ اعظم دہلی علیہ الرحمہ کے بعد آپ کے لخت جگر سرتاج زہاد مفتی اعظم دہلی حضرت مفتی محمد مشرف احمد نقشبندی دہلوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ) سجادہ نشیں ہوئے، آپ کے بعد آپ کے شہزادے مفتی اعظم و قاضئ اہلسنت دہلی حضرت مفتی محمد میاں ثمر دہلوی علیہ الرحمہ (متوفی ۳ جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ مطابق ۳ مارچ ۲۰۱۷ء بروز جمعہ) نے ۱۴۰۲ھ سے ۱۴۳۸ھ تک مسند سجادگی کو رونق بخشی۔ آپ نے اس عرصۂ دراز میں قوم و ملت کے لیے جو جہد مسلسل و سعئ پیہم فرمائی، اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ سے میرے والد ماجد مفتی اعظم ہریانہ و میوات مفتی محمد اسحاق اشفاقی بانی مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق ٹائیں (جن کو ''شیر میوات'' کے نام سے جانا جاتا ہے) کو بڑا قرب رہا۔ والد گرامی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ اندر کوٹ گزری بازار میرٹھ صدر العلماء امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی اشرفی میرٹھی علیہ الرحمہ (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۸ء) بارگاہ عالیہ میں ہوئی۔ حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کی خدمت کا شرف ملا۔ والد گرامی کے برادر اکبر حضرت حافظ محمد قاسم راجشاہی علیہ الرحمہ حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کے تلمیذ خاص تھے، دوران تعلیم ہی کم عمری میں ۱۸ اپریل ۱۹۷۳ء بروز بدھ واصل بحق ہوگئے۔ آپ کا مزار شریف موضع ٹائیں کے پھاڑکی نامی قبرستان میں ہے۔ میرٹھ کا میوات سے بڑا پرانا تعلق ہے اور اس کی وجہ قطب عالم حضرت میاں راج شاہ قادری سوندھوی علیہ الرحمہ (متوفی ۸ رمضان المبارک قبل صبح صادق ۱۳۰۶ھ بروز پنجشنبہ) کی روحانی نسبت ہے۔ یہاں حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کے بے شمار مریدین تھے اور کئی جلیل القدر خلفاء بھی مثلاً حضرت مولانا عبدالرحمن قادری راجشاھی میرٹھی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۳۶ء) حضرت مولانا عبدالرحیم قادری راجشاھی میرٹھی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۳۷ء) حضرت میاں محمد اسماعیل شاہ قادری راجشاھی فریدنگری علیہ الرحمہ (متوفی ۲۲ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء) حضرت سرکار سراوہ حافظ سید ابراھیم شاہ قادری راجشاھی علیہ الرحمہ (متوفی ۲۲ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء) حضرت میاں زمان شاہ ولایتی قادری راجشاہی میرٹھی علیہ الرحمہ خیر نگر دروازہ میرٹھ، حضرت میاں چھجو شاہ قادری راجشاہی علیہ الرحمہ صدر بازار میرٹھ، حضرت پیر جی فیاض علی قادری راجشاہی علیہ الرحمہ وغیرہ اور حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت علامہ محمد عظیم قادری راجشاہی سوندھوی علیہ الرحمہ نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ میں تعلیم حاصل فرمائی۔ حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کی صاحب زادی حضرت رابعہ ثانیہ بی بی مہربی قادریہ رحمت اللہ علیہا (متوفی ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ) و آپ کے پوتے استاد الشعراء حضرت میاں نظیر حسین منظر قادری راجشاہی (متوفی ۸ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ بروز پنج شنبہ) دونوں کے مزار پر انوار بھی موضع فریدنگر میں مرجع خلائق ہیں۔ حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کی روحانی نسبت ہی حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کے میوات آنے کی سبب بنی۔ والد ماجد اپنے برادر اکبر کے وصال کے بعد کچھ عرصہ نوح پھر تقریباً دو سال دہلی پڑھے۔ دہلی پڑھنے کے زمانے کی بات خود والد گرامی کی زبانی سنیے۔

بھائی جان کے وصال کے بعد کچھ عرصہ نوح اور تقریبا دو سال مدرسہ سبحانیہ دہلی پڑھا۔اس کی وجہ یہ رہی کہ کوئی سنی ادارہ آس پاس نہ تھا، دہلی میں جمعہ کی نماز مفتی اعظم دہلی مفتی محمد مشرف احمد نقشبندی علیہ الرحمہ سابق امام شاہی مسجد فتحپوری دہلی کی اقتداء میں ادا کرتا تھا، بعد نماز جمعہ حجرہ شریف میں مجلس منعقد ہوتی تھی جس میں نعت شریف پڑھی جاتی تھی اور کسی کو کوئی سوال کرنا ہوتا تھا تو کرتا تھا تسلی بخش جواب دیا جاتا تھا۔ میں بھی ہفتہ بھر کے مسائل سامنے رکھتا تھا حضرت مفتی اعظم بڑی شفقت فرماتے اور لمحوں میں الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا دیتے تھے۔ جمعہ کے علاوہ بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا گویا اپنی ہر پریشانی کا حل حضرت کی بارگاہ میں تلاش کرتا تھا۔ جب میں کتب احادیث و تفاسیر پڑھنے لگا تو حضرت نے فرمایا کہ اب تم دہلی مت پڑھو! میں نے عرض کیا پھر کہاں جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے مرید فرمالیں۔ فرمایا استخارہ کروں گا۔ صبح حاضر ہوا فرمایا کہ تمہارا حصہ کہیں اور ہے، ان کی وجہ سے تمہیں دین و دنیا دونوں کا نفع ملے گا۔ حضرت نے اپنے صاحبزادے مفتی اعظم دہلی حضرت مفتی محمد میاں ثمر دہلوی علیہ الرحمہ کو حکم فرمایا کہ مفتیٔ اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی کے نام ایک خط لکھو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خط تحریر فرمایا۔ اس خط میں میرے داخلے کے تعلق سے لکھا تھا گویا وہ ایک سفارشی خط تھا۔ میں نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت بڑے پیر صاحب نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت فرمایا۔ میں وہ خط ساتھ لے کر مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ (متوفی ۹ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ بروز سہ شنبہ) کی بارگاہ میں پہنچا۔ حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ آپنے خط پڑھا۔ اس میں میوات کے حالات کا بھی ذکر تھا۔ فرمایا واقعی اس جگہ ضرورت ہے۔ میرا داخلہ لیا گیا اور میرے سرپرست کے طور پر آج بھی مفتیٔ اعظم دہلی حضرت مفتی محمد میاں ثمر محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا نام نامی اسم گرامی اسحاقیہ کے رجسٹر میں درج ہے۔''

ایک بار خود میں (راقم) نے حضرت مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ کی زبان فیض ترجمان سے بھی یہ سنا

''مولانا محمد اسحاق کے سرپرست حضرت مفتی محمد میاں ثمر دہلوی صاحب ہیں آپ کا نام اسحاقیہ کے رجسٹر میں بھی درج ہے۔''

والد گرامی نے ۷۸ء میں اسحاقیہ میں داخلہ لیا اور ۷۹ء میں کچھ دنوں جامعہ نعیمیہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس وقت کا ایک خط میرے پاس موجود ہے جو ثمر ملت نے والد ماجد کے نام تحریر فرمایا تھا۔ ذیل میں اسے من وعن پیش کیا جاتا ہے

عزیز پر تمیز محمد اسحٰق سلمکم　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تمہارے ذوق تعلم اور جذبۂ مزید طلبی کے مطابق حسب وعدہ میں نے جامع اشرف خط لکھا تھا کہ وہاں تمہارا داخلہ ہوسکے گا یا نہیں۔ اب وہاں سے جواب آگیا ہے کہ داخلہ ہوجائے گا اور طالب علم کو جلد بھیج دیا جائے لہٰذا اگر تم جامعہ نعیمیہ کی تعلیم اور طرز تعلیم سے پورے طور پر مطمئن ہو تو بہت اچھا ہے ورنہ جامع اشرف کے لیے جلد سے رخت سفر باندھ لو اور جو بھی رائے قائم کرو مجھے جوابا ضرور مطلع کرو۔ تمہاری آسانی کے لیے جوابی کارڈ لکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یامین صاحب سے بعد سلام عرض کر دینا کہ وہ پچاس روپے قبول فرمالیں، وہ مد زکوۃ کے نہیں ہیں اور مجھے بذریعہ منی آرڈر واپس نہ فرمائیں۔　والسلام

دستخط محمد میاں ثمر

تاریخ ۲۰-۹-۷۹ء

اس خط کو پڑھنے کے بعد بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ثمر ملت علیہ الرحمہ والد صاحب قبلہ پر کس قدر مہربان تھے۔ جامع اشرف خط لکھا، جواب آنے پر والد صاحب کو خط لکھا اور یہ کہ تم یہاں پڑھنا چاہو تو یہاں پڑھنا ورنہ وہاں چلے جانا اور جو بھی تم رائے قائم کرو اُس سے مطلع کرنا، مزید یہ کہ ''تمہاری آسانی کے لیے جوابی کارڈ لکھ دیا ہے۔'' اب وہ مہربان سرپرست نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، آنکھیں اس رخ تاباں کو دیکھنے کے لیے ترستی ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں جامع اشرف نہ گیا بلکہ جامعہ نعیمیہ سے مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ کے ساتھ واپس جودھ پور چلا گیا تھا اور اس کی اطلاع پیر صاحب قبلہ کو دے دی تھی۔ اس خط میں حضرت مولانا یامین نعیمی صاحب مہتمم جامعہ نعیمیہ کا ذکر موجود ہے، آپ کا جماعت اہل سنت کے صف اول کے علماء میں شمار ہوتا ہے، صاحب تقوی وصاحب زہد و ورع ہیں جیسا کہ ثمر ملت علیہ الرحمہ کے مکتوب سے ظاہر ہے۔ اللہ رب العزت صحت وتندرستی کے ساتھ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

والد گرامی ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ کو الجامعۃ الاسحاقیہ سے فارغ ہوئے اور مدرسہ اسلامیہ محمدیہ چھٹی میل الور راجستھان [اس مدرسہ کا نام پیر

محمد میاں قبلہ علیہ الرحمہ سے منسوب ہے] میں ثمر ملت علیہ الرحمہ کے حکم سے پڑھانے لگے۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ بجلی کی سہولت مدرسہ میں اسی دور میں ہوئی اور پیر صاحب علیہ الرحمہ کے حکم سے مسجد کی بنیاد بھی میں نے ڈالی تھی۔ ثمر ملت علیہ الرحمہ کا ایک یادگار خط اس دور کا بھی ملاحظہ فرمائیں

اعزی مولوی محمد اسحاق سلمکم

وعلیکم السلام والرحمۃ والبرکتہ

تمہارا خط ملا۔ مسرت ہوئی ۔ یہ پڑھ کر قلبی سکون ہوا کہ پڑھائی بہت اچھی ہورہی ہے اور کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ مولا تعالیٰ تم کو جذبات اخلاص وایثار سے ہمیشہ باسعادت رکھے۔ آمین

یہ تو صحیح ہے کہ کمیٹی نے تین سو روپے ماہوار کا ارادہ کر لیا ہے لیکن چونکہ مدرسہ مالی اعتبار سے ابھی اطمنان بخش حالت میں نہیں ہے اور عموما دیہات کے مدرسوں میں ابتداء اتنی رقم ماہوار نہیں دی جاتی بلکہ زیادہ تر مدار فصلانہ اناج پر ہوا کرتا ہے اور گاؤں کے لوگ اس طرح اپنا معاہدہ نبھا بھی دیتے ہیں لیکن تم نے اپنے خط میں اس کی تصریح نہیں کی کہ صرف تین سو روپے ماہوار کا خیال ہے یا اُس کے ساتھ فصلانہ اناج بھی کچھ دیں گے۔ بہر کیف مجھے کمیٹی سے یہ رقم بھی ماہوار نبھتی نظر نہیں آتی ، اس لئے تم کمیٹی سے دوبارہ وضاحت کرا کے لکھواؤ کہ آیا تین سو روپے ماہوار بغیر اناج کے ہیں یا کچھ فصلانہ اناج بھی دے سکیں گے اور کتنا؟

تم نے مدرسے کے نصاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور نہ یہ دریافت کیا کہ کیا نصاب مدرسہ میں رکھا جائے؟ ابھی نہ تو مدرسہ کے نصاب تعلیم کا تمہیں کوئی تجربہ ہے اور نہ اتنی نگاہ ہی ہے۔ ایسی صورت میں یہ تمہاری خود مختاری تم پر تمہاری طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دے گی اور اس میں طلباء کا نقصان بھی ہوگا۔ بہر حال سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ یہ کام اتنا سہل نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔ دوست دشمن سب ہی لوگوں کی نگاہیں اس مدرسہ اور کارکنان مدرسہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ ذمہ داری کے ساتھ کام کرنا چاہیے ۔ کمیٹی سے ان باتوں کا جواب لکھواؤ ۔ انتظار رہے گا۔ میں تمہیں تیس روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج رہا ہوں۔ اس میں سے پانچ روپے اس بچہ کا انعام ہے جس نے عرس شریف میں تقریر کی تھی اور پچیس تمہارا انعام ہے۔ ہماری طرف سے سب کو سلام ودعا کہنا۔

والسلام

دستخط محمد میاں ثمر تاریخ ۱۴۔۹۔۸۱ء

اس خط سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مدارس اسلامیہ سے بے حد محبت تھی اور ان کی ترقی کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی ، وہیں یہ بھی کہ علاقۂ میوات کے حالات سے آپ بخوبی واقف تھے جیسا کہ فصلانہ اناج وغیرہ کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے، اس سے ظاہر ہے۔ اس خط میں آپ والد گرامی کو اس طرح سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے ایک مشفق ومہربان باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہے۔ اس وقت حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ کا یہ پیغام مدرسہ کے ہر مہتمم کے لیے ہے۔ ہر مہتمم یہ سوچے کہ حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں اور میرے مدرسہ کے بارے میں فرما رہے ہیں:

''بہر حال سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ یہ کام اتنا سہل نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔ دوست دشمن سب ہی لوگوں کی نگاہیں اس مدرسہ اور کارکنان مدرسہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ذمہ داری کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔''

اخیر میں ثمر ملت علیہ الرحمہ اپنے چہیتے اور لاڈلے کو اور عرس رکنوی میں تقریر کرنے والے طالبِ علم کو انعام واکرام سے نوازتے نظر آرہے ہیں۔ خط کے شروع میں جو دعا آپ نے والدی الکریم کے لیے فرمائی ''مولا تعالیٰ تم کو جذبات اخلاص وایثار سے ہمیشہ باسعادت رکھے۔ آمین'' یقینا آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئے اور آج اس دعا کا اثر ہم والد گرامی میں دیکھ رہے ہیں۔ کس کس بات کو یاد کریں اور کسے نہ کریں۔ ایک ایک بات رہ رہ کر یاد آرہی ہے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علیہ الرحمہ کے کافی خطوط میرے پاس تھے مگر کچھ ہی محفوظ ہیں ، انہی محفوظ خطوط میں سے ۱۹۸۲ء کا ایک اور خط پڑھیں۔

مخلصی مولوی محمد اسحق سلمہ۔۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

تمہارا خیریت نامہ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ ابھی تو ماہ صیام کی مصروفیات ہیں ۔ اگر تمہاری اور تمہارے والد کی طبیعت آمادہ ہو تو عید کے بعد سے کھیڑلہ کے مدرسہ میں پڑھانا شروع کردو۔ آج کھیڑلہ کے عبدالغفور آئے تھے، ان سے بھی تمہارے بارے میں مشورہ ہوا۔ وہ لوگ تین سو روپے ماہوار تک دے سکیں گے۔ تم اپنے والد سے مشورہ کر کے مجھے عید سے پہلے مطلع کرنا۔ سب کو سلام کہنا۔

دستخط محمد میاں ثمر

تاریخ ۱۔۷۔۸۲ء

یہ خط جیسا کہ ظاہر ہے ماہ صیام کا تحریر شدہ ہے۔اس میں بھی صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ کو والد صاحب کی کتنی فکر رہتی تھی ۔اس میں کھیڑلہ کے مدرسہ کے لیے آپ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تمہاری اور تمہارے والد کی طبیعت آمادہ ہوتو عید کے بعد سے کھیڑلہ کے مدرسہ میں پڑھانا شروع کردو" آگے چل کر والد صاحب سے مشورہ کرنے کو بھی فرمایا۔ درحقیقت اس میں آپ والدین کی فرمانبرداری کا درس دے رہے ہیں ۔ میرے جدامجد عالی جناب محمد ظہور خاں مرحوم ومغفور کا ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۴۱۷ھ/ ۱۶۔اگست ۱۹۹۶ء بروز جمعہ کو وصال ہوا۔تدفین خاندانی قبرستان ''پھاڑکی'' میں ہوئی۔ اسی قبرستان میں عارف باللہ حضرت دادا سید عبد المصطفیٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کا مزار شریف مرجع خلائق ہے۔آپ کا عرس پاک ہر سال ۱۰ ذی قعدہ کو ہوتا تھا، خدا کرے عرس کی رونق واپس آئے ۔میرے جد امجد نیک طبیعت ،سادہ مزاج ،بے باک اور شجاع تھے ۔صاحب رعب ودبدبہ تھے۔اللہ تعالیٰ پل پل غریق رحمت فرمائے آمین۔

حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ کا والد ماجد پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ موضع نکرالی میو، الور، راجستھان کے جلسہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ ''جب تک میں نہ آؤں تمہاری اجازت سے جلسہ شروع ہوگا۔'' آہ وہ مہربان آقا اب ہم میں نہ رہا جس کے دم قدم سے محبت کی بستیاں آباد تھیں ،وہ جس جگہ تشریف لے جاتے ایام بہاری کی آمد آمد ہوتی ،ہر چہار جانب خوشیوں کا ماحول ہوتا تھا،جن کی زیارت سے مشرف ہوکر بے چین قلوب چین محسوس کرتے تھے ،جن کی بارگاہ میں اداس چہرے کھل اٹھتے تھے۔ حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ کے جنازہ کو جب باڑہ ہندوراؤ سے لے کر چلے تو مرد عورت بچے بوڑھے سب پرنم تھے۔اس وقت کچھ بزرگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''حضرت کی بارگاہ سے نہ جانے کتنے گھر پل رہے تھے۔''

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس : یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ میری پیدائش (۱۱ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء بروز چہارشنبہ) سے قبل ۱۹۸۷ء میں موضع ٹائیں ضلع نوح میوات ہریانہ تشریف لائے تھے۔ میوات میں اس کانفرنس کی مثال اب بھی دی جاتی ہے۔اس کی خبر ماہنامہ قاری میں یوں شائع ہوئی تھی۔

گڑگائوں میں عظیم الشان کانفرنس

گڑگاؤں (بذریعہ ڈاک) بمقام ٹائیں تحصیل نوح ضلع گڑگاؤں ہریانہ میوات میں بتاریخ ۸ مارچ بروز اتوار ایک عظیم الشان جلسہ اہلسنت وجماعت کی کانفرنس زیر صدارت حضرت اقدس شیخ المشائخ عالم باعمل پیر طریقت حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری مفتی محمد میاں ثمر دہلوی منعقد ہوئی جس میں پانچ ہزار سے زائد فدایان رسول پاک ومحبان اولیاء اللہ نے شرکت فرمائی۔اس عظیم الشان کانفرنس کو حضرت شیخ المشائخ مفتی اعظم دہلی قبلہ ثمر صاحب اور حضرت علامہ مفتی شیر محمد صاحب رضوی نائب شیخ الحدیث دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور اور حضرت علامہ مفتی عبدالمنان کلیمی شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم قصبہ بھوج پور مرادآباد یوپی نے خطاب فرمایا۔حضرت علامہ شیر راجستھان کی شعلہ بیانی سے اہل میوات میں خصوصا برادران طریقت میں سنیت کی انقلابی روح بیدار ہوئی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں اہل میوات نے حضرت شیخ المشائخ کا بیان سن کر حقیقت کو قبول کیا اور پیرومرشد کے دامن اقدس سے وابستہ ہوئے ۔ حضرت مفتی اعظم دہلی کی نظر کرم سے اب میوات میں سنیت کا بول بالا ہوتا ہی چلا جارہا ہے ۔ دوسری طرف ماہنامہ ''قاری'' کی دینی تعلیمی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رسالہ قاری نے اندھیرے میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے،جس کو ہم کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

مرسلہ (مولانا) محمد اسحق

(ماہنامہ قاری شمارہ مئی ۱۹۸۷ء ص ۱۵۳)

اس میں والد گرامی کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حضرت اقدس کے بدولت سرزمین میوات پر سنیت کو فروغ ملا۔ حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ہونے والے جلسوں کا انتظام وانصرام والد گرامی فرمایا کرتے ،اکثر تبلیغی دوروں میں آپ کے ساتھ رہتے اور تبلیغی دوروں کا انتظام فرماتے اور ان کی نشر واشاعت کرتے میوات کے ایک یادگار تبلیغی دورے کی خبر ماہنامہ قاری میں ادارہ کی طرف سے اس طرح شائع ہوئی تھی ملاحظہ فرمائیں

حضرت مفتی اعظم دہلی کا دورۂ میوات وراجستھان:

روحانی وتبلیغی مجالس میں ہزارہا عقیدت مندوں کی شرکت

(میوات بذریعہ ڈاک) نوح سے مولانا محمد اسحق صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت اقدس شیخ طریقت مفسر قرآن کریم حضرت علامہ مولانا قاری مفتی محمد میاں صاحب ثمر دہلوی نقشبندی مجددی دامت برکاتہم القدسیہ

سجادہ نشیں خانقاہ مسعودیہ مظہریہ مسجد فتحپوری دہلی نے مسلمان میوات وراجستھان کی خصوصی دعوت پر ماہ اکتوبر ۱۹۸۷ء کی ۴ تاریخ سے ۲۵ تاریخ تک مختلف ایام میں گاؤنڑی بھر تپور، تاؤڑو گڑگاؤں، پلکھڑی الور وراجستھان کے دیگر اضلاع کا تبلیغی وروحانی دورہ فرمایا جن میں حضرت والا نے مختلف عوامی اجتماعات کو خطاب فرمایا اورعوام الناس کو مسائل شرعیہ کی جانب اپنے مخصوص انداز میں متوجہ فرمایا ساتھ ہی ان زریں اور نایاب موقع پر ہزاروں نے شرف بیعت حاصل کیا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے اور اس دورہ کا آخری سفر ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء کوضلع متھرا یوپی کا ہوا جہاں حضرت والا نے عظیم مجمع کو خطاب فرمایا۔ یہاں بھی لاتعداد افراد نے داخل سلسلہ ہونے کی سعادت حاصل کی ۔ واضح ہو کہ ہریانہ میوات وراجستھان کے ان اضلاع میں حضرت مفتی اعظم دہلی کے جدامجد شیخ الاسلام مفتی اعظم ہند الحاج مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تبلیغ دین کے لیے بڑی محنت فرمائی تھی۔ حضرت کی حیات اقدس سے تادم تحریر میوات وراجستھان کے علاقے خانوادۂ مظہری کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے مسلسل استفادہ حاصل کررہے ہیں۔(ادارہ)

(ماہنامہ قاری ص ۷۵ا-۶ےا شمارہ فروری ۱۹۸۸ء)

حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ سرزمین میوات پر اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ میوات پر آپ کی خاص نظر کرم تھی۔ آخری دور میں باوجود ضعف و نقاہت کے آپ نے پورے ملک میوات میں تبلیغی دورے فرمائے۔ ایسی محنت وجدوجہد فرمائی کہ اسلاف کی یاد تازہ ہوگئی اور اس سال ٹائیں، کھیڑلہ، گنڈباس، آندھا کہ واطراف کے مشترکہ طور پر نکلنے والے جلوس محمدی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم میں آپ نے شرکت فرما کر اہل میوات کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ کی آمد کی خبرسن کر میوات کے اکثر علاقوں سے لوگ بھاری تعداد میں شریک ہوئے، دوسرے دن صبح اخبار کی یہ سرخی تھی ''عیدمیلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن میں ڈوبا نوح۔''

والد ماجد فرماتے ہیں کہ میرا دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور میں ۱۹۹۲ء میں تقرر ہوا، تھا حضرت پیر صاحب قبلہ نے کرم فرمایا کہ آپ کا کرم نامہ وہاں بھی تشریف لایا جس میں تحریر تھا'' مجھے یہ سن کر کہ تم درس نظامی کی اہم کتابیں پڑھا رہے ہو، بہت خوشی ہوئی'' پتہ چلا کہ حضرت اقدس علیہ الرحمہ والدگرامی کی ہرموڑ پر حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

الحمد للہ مجھ (راقم) کو بچپن میں حضرت ثمر ملت علیہ الرحمہ کی مقدس گود میں کھیلنے کا شرف حاصل ہے۔ میرا نام ''غلام دستگیر'' حضرت علیہ الرحمہ نے ہی رکھا تھا ''محمد عارف'' عرفی نام ہے۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ حضرت کا ایک کرم نامہ میرے نام بھی ہے۔ آئیں اسے بھی پڑھتے ہیں۔

عزیز القدر میاں غلام دستگیر محمد عارف رضا اشفاقی سلمہ

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا۔ تم نے اپنے جن جذبات کا اظہار کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو شرف صدق وقبول عطا فرمائے۔(آمین) اگر کوئی ضروری کام ہو تو علاوہ شنبہ وپنج شنبہ فون پر ٹائم لے کر آسکتے ہو۔ فقیر کی جانب سے تمام مخلصین اہل سنت کو سلام ودعا کہنا۔ والسلام دستخط محمد میاں ثمر تاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

حضرت علیہ الرحمہ نے میرے اصلی وعرفی دونوں نام تحریر فرمائے ہیں۔ عزیز القدر تحریر فرما کر مجھ پر کرم فرمایا۔ آپ کی کرم نوازیاں رہ رہ کر یاد آرہی ہیں اور یاد آئیں گی۔ آپ شریعت کے بے حد پابند تھے۔ رویت ہلال میں آپ کی احتیاط موجودہ زمانے میں ایک مثال تھی۔ شاہانہ لب ولہجہ کے بہترین خطیب تھے جب آپ خطاب فرماتے تو مجمع میں سناٹا چھاجایا کرتا۔ انداز بیاں ایسا کہ ہر بات عام سے عام آدمی کے دل ودماغ میں اتر جاتی تھی۔ آپ نکتہ آفریں خطیب تھے۔ علم وعرفان کے جوہر لٹایا کرتے تھے۔ چاہت کا عالم یہ کہ لوگ دور ودراز کا سفر طے کر کے آیا کرتے۔ بہترین قاری وحافظ قرآن تھے۔ آپ دہلی کے مفتی اعظم تھے اور قاضی اہلسنت بھی، رویت ہلال کمیٹی و خدامان مظہری کے صدر بھی، خانقاہ مسعودیہ مظہریہ کے سجادہ نشیں اور خاندان کی امانتوں کے امین تھے۔ دہلی وبیرون دہلی میوات ہریانہ راجستھان بہار میں بہت سی مساجد ومدارس کے بانی وسرپرست تھے۔ عوام وخواص کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ کا فیصلہ حرف آخر ہوتا تھا۔ حضرت اقدس ثمر ملت علیہ الرحمہ اب بظاہر ہمارے درمیان نہ رہے مگر آپ کا روحانی فیضان باقی ہے۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

☆☆☆

جنرل سکریٹری تحریک فروغ اسلام

ٹائیں نوح میوات ہریانہ (ہند)

9812386917,7015573066

تاریخ وتحقیق

لفظ ہندو کی تاریخی اور لغوی و لفظی حقیقت

ڈاکٹر مولانا محمد احمد نعیمی★

ہندوستان کے قدیم مذہبی ادب (Litrature) اور مذہبی تاریخ میں ہندومت یا ہندودھرم کا ہم معنیٰ کوئی لفظ نہیں پایا جاتا ہے۔ وہاں پر سناتن دھرم اور ویدک دھرم، الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ ویدوں اور اپنشدوں میں بیان کردہ سناتن دھرم اور ویدک دھرم کے مقام پر دورِ حاضر میں اب یہی ہندودھرم مقبول ومتعارف ہوگیا ہے لیکن ہندو محققین ومفکرین کا آج بھی یہی ماننا ہے کہ حقیقت میں اس کا سناتن اور ویدک دھرم نام ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ یہی اس کے اصل نام ہیں اور قدیم ہندوستانی مذہبی کتب میں انھیں اسماء کے ساتھ اس کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ ''ہندو'' جدید لفظ ہے۔ سنسکرت کی لغات میں علاوہ شبد کلپدرم (शब्द कल्पद्रुम) کے ہندو لفظ کہیں نہیں ملتا ہے اور شبد کلپدرم کی بنیاد میروتنتر ہے جو قدیم ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں فارسی لغات میں ہندو لفظ ضرور ملتا ہے اور اس سے نکلے ہوئے مختلف الفاظ بھی جیسے ہندوستان، ہندسا، ہندی اور ہندو۔[1]

ہندو علماء و محققین کہتے ہیں کہ جن جن سنسکرت گرنتھوں اور مذہبی کتابوں میں ''ہندو'' لفظ آیا ہو، انھیں بھی جدید ہی سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر یہ لفظ قدیم سنسکرت رہتا تو ویدوں میں نہ سہی پر کم سے کم اسمرتیوں، پرانوں، رامائن، مہابھارت اور قدیم لغات (शब्द–कोष) میں ضرور پایا جاتا۔ اور تو اور ہماری قدیم لغت (कोष–ग्रन्थ) امرکوش (अमर कोष) بھی اس ہندو لفظ سے پوری طرح ناواقف ہے۔[2]

پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:

''ہمارے قدیم مذہبی ادب میں تو ہندو لفظ کہیں آتا ہی نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کا حوالہ ہمیں جو کسی ہندوستانی کتاب میں ملتا ہے وہ آٹھویں صدی عیسوی کے ایک تانترک گرنتھ (तान्त्रिक ग्रन्थ) میں، اور وہاں ہندو کا مطلب کسی خاص دھرم سے نہیں بلکہ خاص لوگوں سے ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ بہت قدیم ہے اور اویستا میں اور قدیم فارسی میں آتا ہے۔'' (ہندوستان کی کہانی، ہندی، ص ۷۸)

حقیقت یہ ہے کہ قدیم ہندوستانی لوگ اس لفظ سے نابلد تھے۔ سب سے پہلے اس کا استعمال قدیم ایرانیوں اور عربوں نے کیا، وہ بھی صرف جغرافیائی یا ایک مخصوص قوم و آبادی کے ترجمان کی حیثیت سے۔[3] کیونکہ اہلِ علم و دانش کی اصطلاح میں ہندو بمعنی ہندو مذہب کا پیروکار اور ہندومت یا ہندودھرم بمعنی ایک خاص مذہب تو گیارہویں صدی عیسوی یا اُس کے بعد کی ایجاد ہے، اس لیے کہ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جن کا سنہ وفات ۱۳؍دسمبر ۱۰۴۸ء ہے اور جو ہندو دھرم کے معروف و مستند محقق و مؤرخ تسلیم کیے جاتے ہیں، جن کی کتاب **تحقیق ما للھند** ہندودھرم کے حوالہ سے ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے انھوں نے اپنی اس شاہکار تصنیف میں ہندو دھرم، ہندو مذہب، ہندومت یا ہندو بمعنی ہندو مذہب کا ماننے والا (Follower) کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ اکثر ہندو محققین ومفکرین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ہندی زبان کے مشہور قومی شاعر رام دھاری سنگھ دِنکر لکھتے ہیں:

''ہندو لفظ ہمارے قدیم ادب میں نہیں ملتا ہے۔ بھارت ورش (भारत वर्ष) میں اس کا سب سے پہلا ذکر آٹھویں صدی عیسوی میں لکھے گئے ایک تنتر گرنتھ (तंत्र ग्रंथ) میں ہے۔ جہاں اس لفظ کا استعمال مذہبی معنی یا مذہبی اسم (धर्मावलम्बी) کے طور پر نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک گروہ یا ذات کے معنی میں کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر رادھا کمد مکھرجی (डा० राधा कुमुद मुखर्जी) کے مطابق بھارت کے باہر اس لفظ کا استعمال قدیم ترین اویستا (अवेस्ता) اور ڈیریس ۵۲۲ (डेरियस) تا ۴۸۶ قبل مسیح کے کتبوں (शिला लेखों) میں موجود ہے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''ہندو'' لفظ غیر ملکی (विदेशी) ہے اور سنسکرت اور پالی میں کہیں بھی اس کا استعمال نہیں ملتا۔ اس لفظ کی جو تاریخ ہے اس کے مطابق یہ کسی دھرم کا نام وترجمان نہیں مانا جا سکتا بلکہ اس کا حقیقی معنی ہندوستان کا کوئی بھی باشندہ ہوسکتا ہے۔ بھارت ورش (भारत वर्ष) کا ہندو نام غیر ملکیوں (विदेशी) کا دیا ہوا ہے

یہ کئی حوالوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں اِتسنگ (इत्सिंग) نامی ایک چینی سیاح (यात्री) بھارت ورش آیا تھا، اس نے لکھا ہے کہ وسط ایشیا (Middle Asia) کے لوگ بھارت ورش کو ہندو کہتے ہیں۔ حالانکہ یہاں کے لوگ اپنے دیش کو آریا دیش کہتے ہیں۔"[۴] (ہندوستان کی کہانی (ہندی)، ص ۸۷)

مشہور ہندو محقق رجنی کانت شاستری لکھتے ہیں کہ:

"اگر چہ لفظ ہندو پارسیوں کی ہزاروں سال پہلے لکھی مذہبی کتاب "شاتیر" میں ملتا ہے جس میں ہمارے ملک کو ہند اور ہمیں ہندو کہہ کر پکارا گیا ہے۔ شاتیر میں مرقوم ہے:

'اکنوں برہمن ویاس نام از ہند آمد پس دانا کہ عقل چناں نیست'

ویاس نامی ایک برہمن ہند سے آیا جس کے برابر کوئی دوسرا عقلمند نہیں۔

یقینا یہ ویاس مہابھارت اور اٹھارہ پرانوں کے تخلیق کار مہرشی کرشن دوے پاین ویدویاس ہی ہوں گے تبھی ان کی عقلمندی کو بے مثال کہا گیا ہے۔ اور اسی کتاب میں "ہندی" لفظ کا استعمال "ہندوالے" کے معنی میں ہوا ہے۔ مثلاً:

"چوں ویاس ہندی بلخ آمد   گشتاشپ زبردشت راوخواند"

جب ہندوالا ویاس بلخ میں آیا تو ایران کے بادشاہ گشتاشپ نے زبردشت کو بلایا۔ یہ زبردشت یا زرتشت پارسی دھرم کا بانی تھا۔ اس میں آگے لکھا ہے:

"من مردے ام ہند نژاد، وہند باز بازگشت" یعنی میں ہند میں پیدا شدہ ایک مرد ہوں اور پھر وہ ہند کو لوٹ گیا۔"[۵]

مختصر یہ کہ اس لفظ کی جو تاریخ ہے اس کے مطابق یہ کسی دھرم کا نام یا ترجمان نہیں مانا جا سکتا بلکہ اس کا حقیقی معنیٰ و مفہوم "ہندوستان کا کوئی بھی باشندہ یا بھارت کا کوئی بھی نواسی" ہو سکتا ہے۔

لفظ "ہندو" کی لغوی و لفظی تحقیق

ہندو دھرم کا تحقیقی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ "ہندو" لفظ کی اصل یا ماخذ اور اس کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

اس سلسلے میں ہندو دھرم اور ہندوستان کی تاریخ سے متعلق مختلف کتابوں میں بہت سے حوالہ جات و اقوال موجود ہیں لیکن قریب قریب سب کا ماحصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کا یہ نام غیر ملکیوں کا دیا ہوا ہے۔ ہندی کے مشہور قومی شاعر اپنی مایہ ناز تصنیف "سنسکرتی کے چار ادھیائے" (संस्कृति के चार अध्याय) میں لکھتے ہیں:

"اصل میں بات یہ ہوئی کہ وسط ایشیا (मध्य एशिया) اور مغربی دنیا (पश्चिमी जगत) کے لوگ بھارت میں مغربی (पश्चिमी) راستے سے آتے تھے، سندھو ندی بھارت کی مغربی سرحد کے پاس پڑتی تھی اور اُدھر سے آنے والے لوگ اس ندی سے اس ملک کی پہچان کرتے تھے۔ ان میں سے ایران اور ان کے پاس والے لوگ س (स) کا صحیح تلفظ نہیں ادا کر سکنے کی وجہ سے "سندھو" کو ہندو کہنے لگے اور یونان والے لوگ سَ (स) اور دَ (द) کا صحیح تلفظ نہیں ادا کر سکنے کی وجہ سے "ہندو" کو "اِنڈو" (Indo) کہنے لگے۔ اس طرح بھارت کا نام "ہندو، ہندوستان اور انڈو، انڈیا چل پڑا۔"[۶]

سوامی اننیانند (स्वामी अनन्यानन्द) تحریر کرتے ہیں:

"ہندو" لفظ "سندھو" کا ہی بدلا ہوا روپ ہے۔ سندھو ایک ندی کا نام ہے۔ قدیم زمانے میں فارسی لوگ سندھو ندی کے ساحلی لوگوں اور صوبوں (प्रदेशों) کو ہندو کہا کرتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً سندھو کا صحیح تلفظ ادا نہ کر سکنے کی ان کے اندر اہلیت نہ ہونا تھی۔ سندھو ہی ہندو بن گیا اور ان کا دھرم ہندو کہا جانے لگا۔"[۷]

وِیوگ ہری (वियोग हरि) اپنی کتاب ہندو دھرم میں رقم طراز ہیں:

"ہمارے قریب جو مغربی بھارت ہوگا، وہی ایران والوں کے نزدیک ان کی مشرقی (पूरबी) سرحد میں واقع بھارت ورش یا ہند ہوگا۔ مشرقی حصے میں اہم دریا سندھو پڑتا ہے۔ اسی عظیم دریا کے مغرب اور مشرق دونوں سمت چھ ندیاں اور جوڑ کر وہ سات ندیاں گنی جاتی ہیں، جنھیں پارسی نظم یا شاعری (छन्दावस्था) میں ہپت ہندو یا سپت سندھو کہا ہے۔ قدیم پارسی ادب میں ہندو لفظ کا سب سے پرانا روپ یہی ملتا ہے۔ اسی سات دریاؤں والے پردیش کو ہپت ہیندو (हप्त हेन्दु) بھی کہا گیا ہے۔ پارسی زبان میں سوم کو ہوم سپت کو ہپت اور اسر (असुर) کو اہر (अहुर) کہتے ہیں۔ علمِ زبان و لسان کے مطابق سَ (स) اور ہَ (ह) آپس میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ پارسی دھرم کے تبلیغی عہد میں اس مشرقی (पूर्वी) صوبے کا نام "ھپت ھیندو یا صرف ھیندو" تھا۔ دھیرے دھیرے ھیندو کا ہند رہ گیا اور یہاں کے رہنے والوں کا نام ہیندو (हेन्दव) سے ھیندو (हेन्दू) یا ہندو (हिन्दू)

ہو گیا۔‘‘[۸]

اس فکر وخیال کی تشریح وتصدیق ’’لوکمانیہ تِلک‘‘ (लोकमान्य तिलक) کے حسب ذیل اشلوک سے بھی بخوبی ہوتی ہے:

आसिंधोः सिन्धुपयर्यन्ता यस्त भारत भूमिका।

पितृभूः पुण्य भूश्‍चेव स वै हिन्दु इतिस्मृतः।।

یعنی مغرب اور مشرق میں سمندر، جنوب میں سمندر اور شمال میں سندھو ندی کے مخرج (उदगम) تک ان چار سمتوں کے اندر جو ملک ہے وہی بھارت کی زمین (भारत भूमि) ہے۔ یہ زمین جن کے آباء واجداد کی اور پاک زمین ہے وہی ہندو (हिन्दु) ہے۔[۹]

ہندو دھرم کے مشہور اسکالر رجنی کانت شاستری کی بھی یہی تحقیق ہے وہ اپنی شاہکار کتاب ’’ہندو جاتی کا اُتھان اور پتن‘‘ (हिन्दू जाति का उत्थान और पतन) میں بیان کرتے ہیں:

’’بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ہند لفظ جو کہ غیر ملکیوں بالخصوص پارس والوں کے ذریعے اس ملک کا نام رکھا گیا ہے ’’سندھو‘‘ لفظ سے جو پنجاب کی ندی کا نام ہے نکلا ہے، پھر اسی ہند لفظ سے ہندو اور ہندی ان دونوں لفظوں کا اشتقاق ہوا۔ ہند لفظ سے پارس والوں کا مطلب سندھو ندی کے پار والے (पारवर्ती) ملک سے ہے۔ ہندو لفظ سے ہند کے باشندوں سے اور ہندی لفظ سے ہند کے باشندوں کی زبان سے تعلق مقصود تھا۔ پارس والے جہاں ہم سَ (स) بولتے ہیں وہاں اکثر ہَ (ह) کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے سپت ھفت، اسرا ھر، سرسوتی ہر ہوتی اور سپت سندھو ھفت ہندو وغیرہ۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سندھو سے ہندو اور ہند سے ہندو اور ہندی یہ دو لفظ پیدا ہوئے۔‘‘[۱۰]

شاستری جی چند سطور بعد مزید لکھتے ہیں:

’’یونانی (Greeks) سندھو ندی کو اِنڈس (Indus) سندھو کے پار والے دیش کو انڈیا (India) اور وہاں کے رہنے والوں کو انڈینس (Indians) کہتے تھے۔ ہم نے بھی ان ناموں کو ان کے تعلق اور میل ملاپ میں آ کر اپنا لیا تھا۔ اور آج بھی ہم یوروپین (Europian) کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اپنا تعارف (Indian) کہہ کر ہی کراتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہم نے پارس والوں کے ہند، ہندو اور ہندی لفظوں کو ان کے ساتھ قدیم زمانے میں اپنی قربت کے سبب اپنا لیا تھا۔‘‘[۱۱] (ہندوستان کی کہانی (ہندی)، ص ۷۸)

سنسکرت اور ویدوں کے عظیم محقق و مفکر ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’فارسی اور ایرانی لوگ سندھو ندی کے کنارے تک آتے تھے انھوں نے سندھو کے سکار (सकार) کو ھکار (हकार) میں بدل کر ہندو لفظ بنا دیا۔ اور استھان کو استان تلفظ کر کے ہندوستان اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کو ہندو کہنے لگے۔ انھیں لوگوں کے رابطہ سے سنسکرت ادب سے لاعلم لوگ بھی ہندو اور ہندوستان کا تلفظ کرنے لگے اور انگریزوں نے ہند لفظ میں اپنی زبان کی خصوصیت کے پیشِ نظر (Hind) ہند کا (ہَ) لوپ کر کے انڈ (Ind) اور اِنڈو (Indo) اور ملک کی ترجمانی و نسبت والے (सूचक) IA جوڑ کر انڈیا (India) بنا دیا۔ اور انڈیا میں رہنے والے انڈین (Indian) کہے جانے لگے۔ خلاصہ یہ کہ بھارتیے، ہندو اور انڈین کا ایک ہی مطلب ہوا۔‘‘[۱۲]

اسی طرح دائرہ معارف اسلامیہ میں مذکور ہے کہ:

’’اہل فارس نے جب اس ملک کے ایک صوبے پر قبضہ کر لیا تو اس دریا کے نام پر جسے اب سندھ کہتے ہیں ہندو رکھا کیونکہ ایران قدیم کی زبان پہلوی میں اور سنسکرت میں س کو اور ہ کو آپس میں بدل لیا کرتے تھے۔ چنانچہ فارس والوں نے ’’ہندہو‘‘ کہہ کر پکارا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو ہند کہا اور آخر میں یہی نام تمام دنیا میں پھیل گیا۔ پھر ہ کا حرف الف میں بدل کر یہ نام فرینچ میں اِنڈ (Ind) اور انگریزی میں انڈیا (India) کی صورت میں مشہور ہو گیا۔ خیبر سے داخل ہونے والی دیگر قوموں نے اس کا نام ’’ہندو استھان‘‘ (हिन्दू स्थान) رکھا جس کو فارسی تلفظ میں ’’ہندوستان‘‘ بولا جاتا ہے۔‘‘[۱۳]

ذکر کردہ جملہ حوالہ جات و دلائل سے صاف ظاہر ہے کہ ہندو کسی دھرم یا مذہب کا نام نہیں بلکہ ایک خاص ملک یا ایک مخصوص علاقے میں رہنے والی قوم کا نام ہے جو غیر ملکیوں کا دیا ہوا ہے۔

اس تعلق سے آر ایس ایس کے دوسرے سرسنگھ چالک اور مفکر و رہنما گروگولوالکر سے جب دریافت کیا گیا کہ سوامی دیانند سرسوتی یہ کہتے تھے کہ ہندو نام غیر ملکیوں کا دیا ہوا نام ہے جس کے معنیٰ ’ڈاکو‘ کے ہوتے ہیں۔ (لغاتِ کشوری میں ہے، ہندو مشہور ملک کا نام ہے اس لفظ میں نسبت کا واؤ جوڑ دیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہندوستان کا رہنے والا یعنی واؤ کی نسبت خاص انسانوں کے ساتھ ہے اور فارسی محاورہ میں لفظ ہندو

بمعنی چور، ڈاکو، رہزن اور غلام کے لیے آتا ہے۔ [۱۴]

تب گرو گولوالکر نے جواب دیا کہ میں مؤرخ (इतिहासकार) ہونے کا تو دعویٰ نہیں کرتا، البتہ لفظ ہندو کو صرف اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ عام ہو چکا ہے اور لوگوں نے اس کو قبول بھی کر لیا ہے۔ [۱۵]

اس کے علاوہ گرو گولوالکر نے اس لفظ کو ہندی الاصل ثابت کرنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''دراصل لفظ ''ہندو'' دو اجزاء کا مرکب ہے ہِ(HI) اور اندو (INDU) ہِ(HI) ہمالیہ سے لیا گیا ہے اور اندو(INDU) اندو، اندوسرووَر سے۔ اس لیے ہندو سے مراد وہ سرزمین ہے جو ہمالیہ اور ہندساگر کے درمیان واقع ہے۔'' [۱۶]

گولوالکر صاحب کی اس دلیل اور وضاحت سے بھی واضح طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ ''ہندو'' ہندوستان کی جغرافیائی حالت کا ترجمان ہے نہ کہ ہندو دھرم کا۔ اس کی رو سے ہر ہندوستانی ہندو ہے چاہے وہ کسی مذہب یا دھرم کا پیروکار ہو۔

حوالہ جات

۱۔ हिन्दू धर्म का सार्वभौम तत्व (ले॰) स्वामी अनन्यानन्द पृ॰ 1 प्र॰ अद्वैत आश्रम, कलकत्ता 1997 ई॰

۲۔ हिन्दु जाति का उत्थान और पतन (ले॰) रजनीकान्त शास्त्री, प्र॰ किताब महल, नई दिल्ली — 2008 ई॰

۳۔ تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۱۶۵، طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۳۹، سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۹۳

۴۔ संस्कृति के चार अध्याय पृष्ठ 35

۵۔ हिन्दु जाति का उत्थान और पतन पृष्ठ 3,4

۶۔ संस्कृति के चार अघ्याय पृष्ठ 35, 36

۷۔ हिन्दु धर्म का सार्वभोम तत्व पृष्ठ 3

۸۔ हिन्दु धर्म (ले॰) वियोग हरि पृष्ठ 7, 8, सस्ता साहित्य मण्डल, दिल्ली — 2001 ई

۹۔ हिन्दु धर्म पृष्ठ 8

۱۰۔ हिन्दु जाति का उत्ताथन और पतन पृष्ठ 1

۱۱۔ हिन्दु जाति का उत्थान और पतन पृष्ठ 2

۱۲۔ कल्कि अवतार और मोहम्मद पृष्ठ 23

۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۳، ص ۱۷۳
عرب و ہند کے تعلقات، ص ۱۲۔۱۳

۱۴۔ لغات کشوری، ص ۸۲۱، سید تصدق حسین رضوی، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۹۴ء

۱۵۔ श्री गुरुजी समग्र दर्शन खण्ड, पृ॰ 100

۱۶۔ Bunch of thought, 130

☆☆☆

☆ لکچرار ڈپارٹ منٹ آف اسلامک اسٹڈیز،
جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔ 62

مولانا محبوب علی قادری کا وصال

۲۱ ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۳، اپریل ۲۰۱۷ء بروز اتوار ساڑھے بارہ بجے رات دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے استاد و معتمد خاص مولانا محبوب علی قادری ابن حافظ محمد مرحوم کا دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

مولانا مرحوم کی عمر ۴۸ سال کے قریب تھی، فراغت کے بعد دار العلوم غریب نواز الہ آباد، جبل پور، دار العلوم طاہریہ بستی، دار العلوم سرکار آسی بلرام، دار العلوم الجامعۃ حشمتیہ گونڈہ میں بالترتیب خدمت انجام دی پھر دوبارہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لائے جہاں مسلسل ۹ سال خدمت انجام دی۔ آپ کی نماز جنازہ نبیرۂ مظہر اعلیٰ حضرت مولانا فاران رضا رضوی بریلوی پڑھائی اور مقامی قبرستان میں دفن کیے گئے۔ آپ کے پس ماندگان میں آپ کی اہلیہ، دو صاحبزادے مولانا محمد ہاشم رضا، محمد احمد نوری اور چھ صاحبزادیاں ہیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت کے مرقد پر رحمت وانوار کی بارش کرے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

محمد سفیر الحق رضوی، خادم دار العلوم غریب نواز الہ آباد (یوپی) موبائل نمبر 9506544239

بزم ادب

صوبۂ بہار کے تین قدیم ترین علمی وادبی مراکز اور سید قاسم حاجی پوری

صوفیانہ فارسی شاعری کے حوالے سے

غلام اختر★

حاجی پور صوبۂ بہار کے شمالی علاقے میں واقع ضلع ویشالی کا صدر مقام ہے، اس کی تاریخی، سیاسی اور تعلیمی حیثیت کو ظاہر کرنے سے پہلے بہار میں فارسی زبان وادب کے تاریخی خدوخال پیش کیا جاتا ہے۔

یوں تو پورے ہندستان میں ہی فارسی زبان وادب کی ترویج واشاعت ترکوں اور افغانوں کی مرہون منت ہے، یہی وجہ ہے کہ قطب الدین ایبک سے لے کر سکندر لودی تک اکثر بادشاہوں نے اپنے دربار کی نگرانی میں مالی اعانت سے فارسی زبان میں تاریخیں مرتب کیں، جو ہمارے لئے معلومات کے جواہر پارے ہیں لیکن اس باب میں حاجی پور کا بھی اپنا مقام رہا ہے اور یہ مقام اسے سید قاسم حاجی پوری کی بدولت میسر ہوا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

سلطانوں نے عام لوگوں کی تعلیم وتربیت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا، اولیائے کرام نے فی سبیل اللہ یہ ذمہ داری اپنے اوپر عائد کررکھی تھی۔ صوفیا کی خانقاہوں میں عربی وفارسی کی تعلیم ہوا کرتی تھی، اس زمانے میں ہر خانقاہ کے ساتھ ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہوا کرتا تھا، مدرسے میں جو پڑھایا جاتا اسے مسجد میں عملی شکل دیا جاتا جس کی زبان فارسی ہوا کرتی تھی۔ گویا فارسی زبان ہندستان میں انہیں نفوس قدسیہ کی علمی تگ ودو کے نتیجے میں پھیلی، یہ اور بات ہے کہ بعد میں اس زبان کو حکومت کا بھی سہارا ملا۔ وہ بزرگان دین فارسی کو ہی ذریعۂ تبلیغ بنائے ہوئے تھے۔ ہاں کبھی کبھی صوبۂ بہار کے پوربی بھاشاؤں یا کھڑی بولی کا بھی سہارا لے لیا کرتے تھے۔

یوں ہی اگر صوبۂ بہار میں فارسی ادب وشاعری کا مطالعہ کیا جائے تو ہماری یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ یہاں بھی انہیں اولیائے کرام کی کاوشیں رنگ لائی ہیں۔

طبقات ناصری کے حوالے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۱۹۹ء میں محمد بختیار خلجی نے بہار کو فتح کیا، یہاں مساجد و دارالعلوم قائم کیے۔ بادشاہوں کی اس روش کو زندہ رکھتے ہوئے خلجی حکمرانوں کے امیروں نے بھی مدرسے، مساجد اور خانقاہیں قائم کیے لیکن فارسی زبان وادب کو فروغ اولیائے کرام کے ہاتھوں نصیب ہوا جو مذہبیات کے ساتھ علم وادب کی دوسری اصناف پر بھی عبور رکھتے تھے۔

فارسی شعر وادب کے مراکز کی حیثیت سے پورے بہار سطح پر (۱) بہار شریف اور اس کے مضافات میں منیر، باڑھ (راجگیر) (۲) شمالی بہار میں حاجی پور (جو ابھی ویشالی ضلع کا صدر مقام ہے) (۳) بھاگلپور کلیدی کردار کے حامل ہیں۔

پہلا مرکز بہار شریف: اس سلسلے کی کڑیوں میں ایک اہم اور مرکزی کڑی بہار شریف تھا جو دراصل حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات سے پہچانا جاتا ہے۔ شیخ شرف الدین احمد پٹنہ کے منیر گاؤں میں پیدا ہوئے، ان کے والد مخدوم یحییٰ منیری اپنے وقت کے معروف صوفی بزرگ تھے، ان کی والدہ محترمہ بھی تصوف میں بلند مقام رکھتی تھیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کو علوم اسلامی کے علاوہ حکمت، شاعری، منطق اور فلسفہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے مزید تعلیم دہلی کے بزرگ صوفی شیخ نجم الدین فردوسیؒ سے حاصل کی تھی۔ انہوں نے سولہ کتابیں تصنیف فرمائیں جن کا ذکر اکبر بادشاہ کے درباری فارسی عالم ابوالفضل نے اپنی کتاب آئین اکبری میں کیا ہے۔ شیخ شرف الدین کے خاندان کے دوسرے بزرگ حضرت احمد چرم پوش تھے جو صوفی بزرگ ہونے کے ساتھ فلسفی اور شاعر بھی تھے، چمڑے کا لباس پہننے کی وجہ سے چرم پوش کہلاتے تھے، فارسی میں ان کا دیوان ہے۔ انتقال غالباً ۱۳۶۴ء میں ہوا۔

اسی زمانے کے ایک بزرگ حضرت مظفر شمس بلخی بھی تھے جو بلخ میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم وتربیت سے فارغ ہوکر بہار آکر شیخ شرف الدین احمد سے شرف تلمذ حاصل کیے، بعد میں دہلی آکر مدرسہ فیروز شاہی

میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔وفات ۱۳۸۶ء میں ہوئی۔

شیخ شرف الدین احمد کے شاگردوں میں ایک معتبر نام شیخ حسین عرف ''نوشۂ توحید'' کا بھی آتا ہے،انہوں نے فارسی میں مثنوی لکھی ،عربی زبان میں فلسفہ وحدۃ الوجود پر ایک کتاب بنام ''حضرت الخمس''، تصنیف کی جس کا ترجمہ بعد میں ان کے لڑکے شیخ حسن نے فارسی زبان میں'' کاشف الاسرار'' کے نام سے کیا۔یہ کتاب ۱۸۹۶ء میں منظر عام پر آئی۔بہار شریف اس لئے بھی تعلیم وتمدن کا گہوارہ تھا کہ یہ ایک بڑے عالم شمس الحق بڈھ حقانی کا مولد ومسکن تھا۔

بہار شریف میں ایک اور بزرگ شیخ احمد لنگر دریا کے نام سے ملتے ہیں جو تصوف میں اعلیٰ درجے کے حامل ہیں،انہوں نے ایک کتاب بنام''مونس القلوب''،تحریر فرمائی ہے جو،دراصل ملفوظات ومکتوبات کے طرز واسلوب پر لکھی گئی ہے۔ان بزرگوں کے علاوہ بہار میں فارسی اور عربی زبان وادب کے دوسرے شعرا وادبا کا بھی سراغ ملتا ہے جن میں'' مناقب الاصفیاء'' کے مصنف شعیب ،فارسی لغت ''شرف نامہ'' کے مؤلف ابراہیم قیام فاروقی اور''مفتاح الفیض'' کے تخلیق کار شیخ حسن حطامی سرفہرست ہیں۔

دوسرا مرکز حاجی پور: اس دور میں علم وادب کا دوسرا مرکز حاجی پور کو تسلیم کیا جاتا تھا جو دراصل دینی وعلمی مرکز حسن پور عشری کی شاخ کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کی اہمیت اس باوقار ومتبحر عالم میر ملک فتح اللہ (ابن بایزید بسطامی) کی موجودگی نے اتنی بڑھادی تھی کہ پورے ملک سے طلبا کا جم غفیر اپنی علمی تشنگی بجھانے یہاں آیا کرتا تھا، یہاں تک کہ دہلی جو ملک کا اہم ترین مرکز تھا وہاں سے بھی طلبا حاجی پور آیا کرتے تھے۔

حاجی پور کا تاریخی خدوخال: حاجی پور دراصل اپنے نام کے اندر ہی اپنی وجہ تسمیہ اور ضمناً تاریخ پیدائش کے ساتھ سیاسی وتاریخی اشارات چھپائے ہوئے ہے۔بات یہ ہے کہ بنگال کے سلطان شمس الدین عرف حاجی الیاس (دور حکومت ۱۳۴۵ء تا ۱۳۵۸ء) نے دو شہر اپنے نام پر بسایا تھا۔ایک حاجی پور،دوسرا شمس الدین پور حاجی پور،تو اب تک حاجی پور ہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک خاص فرقے کے لوگوں نے حال ہی میں بڑی تیز سیاسی کوشش کی کہ اس کا نام حاجی پور سے بدل کر ہری پور رکھ دیا جائے لیکن ان کی کوششیں ناکام ہوئیں اور شہر مذکور علیٰ حالہ حاجی پور ہی کے نام سے ہے لیکن شمس الدین پور بعد میں بدل کر سمستی پور ہو گیا جو ابھی بھی اسی نام سے مشہور ہے۔بہرحال حاجی پور میں سلطان مذکور نے دریائے گنڈک کے کنارے ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا جو رقبہ ۳۶۰ (تین سو ساٹھ) بیگھہ پر پھیلا ہوا تھا،اس قلعے کے اندر ایک جامع مسجد بھی تھی،اس مسجد کے دروازے پر ایک کتبہ اکبر بادشاہ کے دور میں ۱۵۸۷ء میں نصب کرایا گیا تھا۔حاجی الیاس کا مقبرہ سونپور پل کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ہمایوں جب ضلع سارن کے راستے بھاگ رہا تھا تو اس شہر حاجی پور میں اس کی ملاقات سید حسن دانشمند (شاگرد وداماد میر ملک فتح اللہ بن بایزید بسطامی) سے ہوئی، ان سے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے اسے شیر شاہ سوری پر ترجیح دے کر دعا کی ،پھر جب دوبارہ اس نے حملہ کیا تو فتح یاب ہوکر ہندستان کا بادشاہ بنا اور اس نے بزرگ موصوف کو مدد معاش کے طور پر حسن پور عشری (سارن) اور حاجی پور میں مینا پور کی جاگیریں نذر کیں۔ہمایوں کی بیوی گلبدن بیگم نے اپنی کتاب''ہمایوں نامہ'' میں لکھا ہے کہ ہمایوں واپس ہوتے ہوئے حاجی پور سے گزرا تھا جبکہ گنگا کی دوسری طرف شیر شاہ اس کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔

حاجی پور کی تعلیمی وتہذیبی حیثیت: حاجی پور میں میر ملک فتح اللہ (ابن بایزید بسطامی) کا مدرسہ قائم تھا جسے علمی مرکزیت حاصل تھی ،میر ملک فتح اللہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد واخلاف میں سے تھے،جس کا بیان خادم حسین نے اپنی کتاب'' تذکرہ تاج العلماء مع رحلت نامہ'' میں کچھ اس طرح کیا ہے:

''مخدوم سید فتح اللہ عرف میر ملک کہ اکابر کبار آں دیار از فرزندان سلطان عارفین بایزید بسطامی بودند درخواست نسبت آنحضرت با بنت خود نمودند آنجناب بموجب انس الٰہی وحدیث رسالت پناہی ایجاب کردہ عقد شرعی بعمل آوردند۔''

میرٹھ سے ہجرت کر کے سید حسن دانشمند میر ملک فتح اللہ کے مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے آئے میر ملک نے اپنی شاگردی میں قبول کیا،دور طالب علمی میں سید حسن سے کچھ خارق عادات کرامتیں

صادر ہوئیں جنہیں میر ملک کی کنیز نے دیکھ کر میر ملک سے کہہ دیا۔ وہ یہ کہ رات کو سید حسن دانشمند اپنے سامنے چراغ رکھ کر بیٹھے ہیں، جب نیند کی غنودگی طاری ہوتی ہے اور ان کا سر جھکتا ہے تو چراغ دان خود بخود پیچھے کی جانب ہٹ جاتا ہے اور جب سر پیچھے کی جانب آتا ہے تو چراغ پھر اپنی جگہ پر آجاتا ہے۔ میر ملک نے ان کی کرامت واحوال وکوائف کو اچھی طرح بھانپ لیا اور انہیں یقین ہوگیا کہ یہ اپنے وقت کا ولی کامل ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی لڑکی سے شادی کی پیش کش رکھی۔ سید حسن نے معذرت کر لی اس لئے کہ وہ شادی شدہ تھے اور ایک بچی بھی تھی لیکن میر ملک کا اصرار بڑھتا گیا بہر حال بات یہ طے ہوئی کہ صبح مراقبے کے بعد جو منکشف ہوگا اسی پر عمل ہوگا، صبح کو مراقبے کے بعد حکم خداوندی سے سید حسن کی بیوی و بچی فوت ہوگئیں اس کے بعد سید حسن نے میر ملک (ابن بایزید بسطامی) کی بیٹی سے شادی فرمائی، شادی کے بعد سید حسن یہیں حاجی پور میں ہی رہ گئے اسی کے بعد ہمایوں کے حق میں دعا کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ سید حسن کا انتقال ۹۴۵ھ میں حسن پور عشری میں ہوا، وہیں ان کا مزار بھی ہے۔
ان کی پانچ اولاد ہوئیں جن میں سے دو سید چندن اور سید عبدالرزاق لا ولد فوت ہوئے باقی تین لڑکے (۱) سید احمد (۲) سید مبارک (۳) سید حسین بڑی عمر پائے۔ سید حسن کی تاریخ وفات پر خادم حسین نے اس طرح قطعہ لکھا ہے

بود شاہی بکشور دانش　　میر سید شدہ بدار فنا
خردم سفت درّ تاریخش　　واصل حق شدہ سر علما

سید حسن دانشمند کے تین لڑکوں میں سید مبارک حسن پور عشری میں سکونت پذیر رہے۔ سید حسین بھاگلپور چلے گئے، جبکہ سید احمد اپنے والد سے رخصت کی اجازت لے کر سیاحت کے لئے نکلے اور سفر کے دوران بزرگان دین سے اکتساب فیض کرتے رہے، اخیر میں میناپور حاجی پور تشریف لائے اور انہوں نے یہیں ۹۷۲ھ میں انتقال فرمایا تاریخ وفات ''مشتاق لقا'' سے نکلتی ہے۔

سید حسن دانشمند کے لڑکوں میں بڑی عمر پانے والے مذکورہ تین لڑکوں میں تیسرے لڑکے سید احمد ہیں جو، پیر دمڑیا سے مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ خادم حسین یہ بیان کرتے ہیں کہ سید احمد اپنے مریدوں سے نذرانے کے طور پر صرف ایک دمڑی قبول فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کا ایک تاجر مرید سمندری سفر کر رہا تھا کہ اچانک اس کا جہاز سمندر میں ڈوبنے لگا تبھی اس نے اپنے پیر سے استمداد کیا اور منت کر لی کہ نصف مال بارگاہ میں پیش کروں گا۔ ادھر سید احمد عین محفل میں مراقبے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد اپنی تر آستین باہر نکالی مریدوں کے اصرار پر انہوں نے تاجر کے ڈوبنے اور نجات پانے کا واقعہ بتایا، جب ان کا تاجر مرید نصف مال لے کر بارگاہ میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس میں سے صرف ایک دمڑی قبول فرمایا تبھی سے پیر دمڑیا سے مشہور ہوگئے۔

سید احمد کے تین لڑکے ہوئے (۱) سید محی الدین عرف امیر بڑھ یہ بیعت وخلافت کے بعد حسن پور عشری اپنے چچا سید مبارک کے ساتھ دادا کے سجادہ نشیں ہوئے انتقال ۱۱ر محرم ۱۰۱۲ھ میں ہوا (۲) سید قاسم حاجی پوری، ان کی تفصیلات آگے آرہی ہیں (۳) مخدوم سید محمد عرف پیر دمڑیا ثانی، انہیں پیر دمڑیا ثانی کا خطاب اپنے والد بزرگوار سے ملا تھا، اس کی وجہ یہ رہی کہ دور طالب علمی میں پڑھائی سے فراغت پاکر عصر کے بعد طلبا کے ساتھ چہل قدمی کو جایا کرتے تھے، ایک دن ایک کبیر نامی آدمی کی ککڑیوں کی کھیت پر پہنچ کر فرمایا ہمیں ککڑی خریدنا چاہیئے۔ اس پر زمین مالک کبیر نے عرض کیا ''اس سال ساری ککڑیاں تلخ نکل آئیں'' حضرت نے اسی وقت پانی منگوایا، وضو کیا، دو رکعت نماز نفل پڑھی اور کہا ''اللہ کی قدرت سے ساری ککڑیاں شیریں ہو جائیں گی'' اسی وقت زمین مالک نے ایک ککڑی توڑ کر چکھا تو شیریں تھی، اس نے ساری ککڑیاں فروخت کر کے روپئے نذرانے کی صورت میں حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے صرف ایک دمڑی قبول فرمائی اور کہا کہ میں نے اپنے والد کی سنت ادا کی ہے۔ بعد میں ان کے اندر اپنے والد کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے۔ والد سے بیعت وخلافت کے بعد سیر وسیاحت کی اجازت لے کر نکلے اور راجگیر میں مراقبے کی حالت میں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے روحانی فیض حاصل کیے اور انہیں کے حکم پر پٹنہ شہر کے باہر سملی محلہ میں قیام پذیر ہوگئے، اسی محلے کا نام آگے چل کر پیر دمڑیا محلہ ہوگیا۔ آپ کا وصال اسی محلہ میں ۲۵ر ربیع الاول ۱۰۲۴ھ میں ہوا اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔ قطعۂ تاریخ وفات ہے۔

طائر روحش از جہان فانی　　بجنان کرد بال افشانی

تاج سرہائے زاہدان برخاست   از جہان شد محمد ثانی

مخدوم سید قاسم حاجی پوری: مخدوم سید قاسم حاجی پوری کا تخلص قاسم اور لقب صدر الدین، جمال الدین، زبدۃ النقبا، محمود العقبیٰ اور مقتدیٰ اعظم تھا۔ ان کے والد سید احمد پیر دمڑیا، جد اعلیٰ سید حسن دانشمند تھے اور میر ملک فتح اللہ جو بایزید بسطامی کے شہزادے ہیں، ان کے والد سید احمد پیر دمڑیا کے نانا ہیں اس طرح سید قاسم حاجی پوری بہ واسطۂ والد بایزید بسطامی کے پرنواسے ہوئے۔ انہیں اپنے والد سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی اور والد کے انتقال کے بعد خانقاہ مینا پور حاجی پور (ویشالی بہار) کے سجادہ نشین مقرر ہوئے، انہوں نے چار شادیاں کیں اور ان سے کل نو لڑکے اور سات لڑکیاں ہوئیں۔ ان کے لڑکوں میں ایک لڑکا سید عبد الوہاب عرف سید حاجی، جہانگیر بادشاہ کا صوبہ دار و پنج ہزاری پنج سوار تھا۔

سید قاسم حاجی پوری تصوف میں اعلیٰ درک رکھنے کے ساتھ فارسی شاعری میں ایسا مقام رکھتے تھے کہ ان کے عہد کے ہم عصروں میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ روحانی عظمت وجلال کی یہ شان تھی کہ ایک روز آپ صبح خواب سے بیدار ہوئے، آپ کے حجرے کے باہر ایک وسیع وعریض میدان واقع تھا، جس میں ایک حلوائی اپنی گائے چرا رہا تھا اور وہ آپ ہی کی طرف چلا آ رہا تھا، آپ نے جوں ہی ادھر نظر اٹھائی حلوائی اپنی گائے سمیت خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد جب بھی خواب سے بیدار ہوتے تو کسی آدمی کو دیکھنے سے پہلے ہری گھاس پر نظر کر لیتے، گھاس جل کر راکھ ہو جاتی پھر کسی کی طرف نظر فرماتے ان کی ہیبت وجلال سے خدام ہمیشہ سہمے سہمے رہتے۔ ان کی نظر میں یہ جلال رات بھر دیدار الٰہی کی بدولت آ گیا تھا۔

غزلیات قاسم پر ایک طائرانہ نظر: سید قاسم کا شمار اُن بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے دیہاتوں تک اسلام پھیلایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فارسی کلام میں جا بجا خوف وخشیت، گناہوں پر شرمساری، شفاعت اور عشق رسول جیسے مضامین ملتے ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیں!

گنہگارم توئی آمرز گارم
امید عفو دارم با معانی
قاسم آلودہ دامن چہ کند روز حساب
مگر امید کہ محبوب الٰہی است شفیع

کلمۂ شہادت کی اہمیت وافضلیت بیان کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

یکبار کلمۂ تو باخلاص ہر کہ گفت
شد محو آنچہ کردہ ہمہ عمر خود گناہ

شعر مذکور کو ایک حدیث (من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ) کی طرف تلمیح بھی کہا جا سکتا ہے۔

سید قاسم حاجی پوری کے نعتیہ اشعار پڑھنے کے بعد ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی ان کی قادر الکلامی کا خاصا ادراک ہوتا ہے۔ نعت کا یہ شعر دیکھئے اور عش عش کیجئے۔

ہمچوصفات ذات ترا ہیچ کس ندید
بے مثل آفریدہ ترا در جہان الٰہ

شعر مذکور سے مترشح مفہوم کے بابت اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ یہ در اصل حدیث ایّکم مثلی کے مفہوم سے مستعار ہے یا پھر قاسم نے حسّان بن ثابت کے ذیل کے اِن دو اشعار کے مفہوم مستعار لیے ہیں

واحسن منك لم تر قط عيني
واجمل منك لم تلد النساء
و خُلِقتَ مُبرّاً عن كل عيبٍ
كانك خُلِقتَ كما تشاء

کہ اے محبوب! تجھ سے خوبصورت شخص کو میری نظر نے کبھی نہیں دیکھا بلکہ تجھ سے خوبصورت بچہ کسی عورت نے جنا ہی نہیں، تو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے، گویا تو ایسا پیدا کیا گیا جیسا تو چاہتا تھا۔

قاسم ایک عارف باللہ شاعر ہیں جو اپنی شاعری عشق مجازی سے شروع کرتے ہیں لیکن ختم عشق حقیقی پر کرتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ عشق مجازی کو عشق حقیقی تک پہنچنے کا زینہ تصور کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

زاہد بنگر رخ خوبان   راز دیدار حق درین باشد
جلوۂ دیدار خدا قاسما   ہست درین ملک زخوبان طلب

قاسم نے اپنی شاعری میں مشکل اور منجمد الفاظ کی بجائے آسان اور عام بول چال کے الفاظ استعمال کیا ہے بلکہ کہیں کہیں ہندستانی زبان کا استعمال بھی ملتا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قاسم زبان کے اندر تجدید کاری و وضع داری کو نہ صرف یہ کہ روا مانتے ہیں

بلکہ اس کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

نگاران لاہور وخوبان دہلی
بدل کردہ بودند پیوند جانم
فشاند یکے در بغل یاسمینم
نہادے یکے در دہان برگ پانم

مذکورہ بالا اشعار میں ''برگ پانم'' کی ترکیب نہایت خوب وموزوں ہے، ساتھ ہی ہندستانی تہذیب کی عکاسی کرتی ہے کہ فارسی شاعری ہوتے ہوئے بھی ہندستانی زبان سے مستفیض ہے۔ اسی طرح طالب آملی نے ''پان'' کا استعمال اپنی فارسی شاعری میں کیا ہے۔ بقول صاحب شعر العجم (شبلی نعمانی) ''عرفیؔ عمر بھر ہندستان میں رہا اور ایک ہندستانی لفظ ''جھگڑا'' بطور فارسی استعمال کرتا رہا''

اس طرح کی مزید جھلکیاں قاسمؔ کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہیں، جنھیں مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمائیں!

زحسن شستۂ دھوبی چہ گویم — ازان بے پردہ محبوبی چہ گویم
غرور حسن با جہل پٹھانی — چو گردد جمع نتوان زندگانی
بتان راجپوت و شیخ زادہ — شکیب عاشقان برباد رادہ

مذکورہ بالا اشعار میں استعمال لفظ دھوبی، پٹھان، راجپوت اور شیخ زادہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سید قاسمؔ نے اپنی شاعری میں ہندستان میں مروج اسلامی وغیر اسلامی برادری کا ذکر کرکے در اصل ہندستانی سماج کی عکاسی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ غزلیات قاسم میں دنیا کے مختلف ملکوں اور شہروں کے نام کا ذکر ملتا ہے، جس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ قاسمؔ کی نظر پوری دنیا پر تھی، اور وہ ایک صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوررس مفکر بھی تھے۔

اسی طرح نعت رسول میں بھی عشق ومحبت کے جواہر پارے ان کے مجموعۂ کلام میں بکھرے ہوئے ہیں جنھیں اس مختصر سے مقالے میں سمیٹنا ممکن نہیں، قارئین کو ان کے اس شعر سے ان کے نظریات اور عقیدت ومحبت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو!

قاسما شد غلام شاہ عرب
زان سعید است ہمچو سعد ومعاذ

شعر میں مذکور سعد ومعاذ دو صحابی کے نام ہیں ایک سعد ابن ابی وقاص ہیں اور دوسرے معاذ ابن جبل جن کا نام بڑے جلیل القدر صحابہ میں آتا ہے۔ حاصل یہ کہ سید قاسم حاجی پوری نے اپنی تبلیغی خدمات اور فارسی شاعری کے ذریعے خاص طور سے ضلع ویشالی اور زبان فارسی پر جو احسان کیا ہے اس سے ضلع مذکور بشمول فارسی ادب کبھی اپنی گردن ہلکی نہیں کرسکتا۔ غزلیات قاسم کے مطالعے کے بعد سید قاسم حاجی پوری کے لئے حافظؔ کا یہ شعر ذہن کے پردے پر بار بار ابھر کر آتا ہے۔

حاصل عمر نثارِ رہ یارے کر دم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

تیسرا مرکز بھاگلپور: بھاگلپور میں بھی میر ملک فتح اللہ اور سید حسن دانشمند ہی کا علمی، ادبی اور تبلیغی فیضان جاری ہوا وہ اس طرح کہ سید حسین ولد سید حسن دانشمند بھاگلپور چلے گئے تھے اور وہاں اپنی خاندانی وراثت میں ملے علم سے لوگوں کو خوب فیضیاب کیا۔ ان کا خاندانی علمی سرمایہ جو خلیفہ باغ کی لائبریری میں محفوظ ہے آج بھی ہمیں دعوت مطالعہ دیتا ہے۔ اس علمی وادبی کارواں کو آگے بڑھانے میں سلسلۂ شہبازیہ کے بزرگوں کا بھی بڑا اہم رول رہا ہے۔ جنھیں اس مختصر سے مقالے میں نہیں بیان کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ۔ میں نے اپنے اس مقالے میں بہار شریف اور بھاگلپور پر قدرے روشنی ڈالی ہے۔ تفصیلی گفتگو سے اعراض اس لئے کیا ہے کہ میرا موضوع خاص طور سے حاجی پور ہے۔

بحوالہ۔ سید قاسم حاجی پوری ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ مع غزلیات قاسم، ڈاکٹر غلام مجتبیٰ انصاری، دی آرٹ پریس سلطان گنج، پٹنہ ۱۹۷۷ء

☆☆☆

☆ ریسرچ اسکالر: روم نمبر ۸/ مہاندی ہاسٹل،
جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔ 09958602553

بزم خواتین

ماں قدرت کا بہترین تحفہ اور عطیہ

شیخ حسن تبریزی★

اللہ تعالیٰ نے جب ماں کی تخلیق کی تو اسے رحمت کی چادر، چاہتوں کے پھول، پاکیزہ شبنم، دھنک کے رنگوں، دعاؤں کے خزانے، زمین وآسمان کی وسعتوں، جزبوں، چاند کی ٹھنڈک، رحمت، راحت، برکت، عظمت اور ہمت کے تمام رنگوں سے مزین کیا۔ ماں اگرچہ ایک عام لفظ ہے مگر آج اس کی معنویت کی گہرائی وسیع سے وسیع تر ہے۔ کسی دانشور نے ماں کو محبتوں کا مجموعہ کہا ہے، تو کسی نے اسے عظیم دیوی کا درجہ دیا ہے، کسی نے ماں کو ٹھنڈی چھاؤں سے تعبیر کیا ہے، تو کسی نے اسے اس کائنات کی عظیم ہستی قرار دیا ہے کسی ادیب نے دعاؤں کا گودام کہا ہے، الغرض تمام ادیان اور تہذیبوں میں ماں کو ایک عظیم مقام ومرتبہ حاصل ہے جو، اولاد کی نافرمانی کے باوجود اپنے لخت جگر کو بددعا نہیں دیتی۔

آنے والی باتوں سے آپ کو ماں کی محبت کا پتہ چل جائے گا

''جب میں سخت بارش میں گھر آیا تو میرے بھائی نے غصے سے پوچھا کہ تم نے چھتری کیوں نہیں لی؟ میری بہن نے ڈانٹا کہ تم نے بارش رکنے کا انتظار کیوں نہ کیا؟ والد صاحب نے تنبیہ کی کہ اگر تم بیمار ہوئے تو خیر نہیں مگر ماں جو، اب تک میرے بال خشک کررہی تھی، بولی ''اے بارش! میرے بچے کے گھر پہنچنے تک انتظار تو کرلیتی۔''

ماں کا حق: ماں ایک باشعور اور ایک عظیم خاتون ہے جو بچوں کی زندگی میں بادِصبا کی مانند ہے جورات دیتی ہے جو اولاد کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتی ہیں جو اپنی اولاد کی خاطر اپنی آرزو کا گلہ گھونٹ دیتی ہے، اپنی خواہشات کو خاک میں ملا دیتی ہے، اپنی خوشیوں کا جنازہ نکال دیتی ہے جو خود نہیں کھاتی اور اپنے بچے کو کھلاتی ہے۔ بقول شاعر:

کس قدر شوق سے ماں باپ نے پالا تجھ کو
خود رہے بھوکے دیا منہ کا نوالہ تجھ کو

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا، پوچھا کہ، یا رسول اللہ! میں نے اپنی ماں کو کاندھا پر بٹھا کر حج کرایا ہے کیا میرا حق ادا ہوگیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ابھی تو اس ایک رات کا حق بھی ادا نہیں ہوا جس رات تونے بستر گیلا کردیا تھا اور تیری ماں نے تجھے خشک جگہ پر سلایا اور خود گیلے میں سوئی۔

ماں کی محبت: ایک ماں کو اپنی اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے آپ اس واقعہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت میرے پاس بھیک مانگنے کے لیے اپنے دو چھوٹے چھوٹے دو بچوں کے ساتھ آئی۔ میں نے اسے تین کھجوریں دی۔ ماں نے اپنے دونوں بچوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور تیسرے اپنے منھ میں ڈال لی۔ دونوں بچے جلدی سے کھا کر ماں کے منہ تکنے لگے۔ ماں بھی منہ میں کھجور ڈال چکی تھی لیکن حلق کے نیچے ابھی اتارا نہیں تھا کہ دونوں بچے یکا یک اپنی ماں کے منھ کو تکتے رہے تو ماں کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ کھجور کو حلق کے نیچے اتار دے۔ اور بچے منہ تکتے رہیں۔ ماں کی محبت تلملا اٹھی، ماں کا کلیجہ دہل گیا، ماں منھ میں ڈالے ہوئے کھجور کو دوبارہ نکالتی ہے اور اپنے دونوں بچوں کو نصف نصف کرکے تقسیم کردیتی ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ماں کا مقام:

آج معاشرے میں ایسے ایسے نوجوان پیدا ہوئے ہیں جو اپنی ماں کو گالیاں دیتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ مارتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے خود کے گھر سے بھگا دیتے ہیں۔ شاید انہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کی ۳۶ویں آیت پر ارشاد فرمایا:

ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمسکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا۔

اس آیت کریمہ میں رب ذوالقدیر نے سب سے اہم فریضہ

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے پھر خویش واقارب ہیں۔دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

وبالوالدین احسانا فاما یبلغن عندك الکبر احدهما او کلاهما فلا تقل لهما أف فلا تنهرهما۔

اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو، انھیں بھلا برا مت کہو! یہاں تک کہ اف تک نہ کہو۔انھیں مت جھڑکو بلکہ نرمی کے ساتھ پیش آؤ، ادب واحترام سے کلام کرو۔

آپ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرے گا کہ آخر ایسا کیوں کر ہے؟ وہ بھی تو انسان ہے مگر اتنی تاکید کیوں دی جارہی ہے کہ تم اسے اف تک نہ کہو؟ جب یہ سوال آپ کے ذہنوں میں ابھرے گا تو ماں کا لطف وکرم آپ سے سوال کرے گی کہ بیٹا بھول گئے کیا؟ وہ میں ہی ہوں جس نے تمھیں اپنے جگر کے خون کا دودھ بنا کر پلایا۔وہ میں ہی ہوں، جب تو بستر پر پیشاب کردیا کرتا، تو میں تمھیں دوسری جانب سلا دیا کرتی اور جب تو دوسرے جانب بھی پیشاب کردیا کرتا، تو میں تمھارے پیشاب کیے ہوئے جگہ پر سو جایا کرتی تھی اور تجھے اپنے سینے پر سلایا کرتی تھی۔ بیٹا! وہ میں ہی ہوں جو تمھیں اپنے شکم میں ۹ مہینے تک بوجھ اٹھائے لیے پھرتی رہی اور تمہارے وزن سے ہونے والے درد کو برداشت کرتی رہی۔

اپنی ماں سے جھوٹی محبت کرنے والو! اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو کہ آج ہمارے سینوں میں اپنی ماں کے لیے کتنی محبت ہے؟ انھوں نے گلشن قلب میں کتنے پھول کھلائے ہیں پھر بھی ہم ان کے احسانات، شفقتوں اور محبتوں کے بدلے میں ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ہم میں سے اکثر وبیشتر لوگ اپنے والدین کی نافرمانی کرتے اور انہیں تکلیف دیتے ہیں۔اپنے والدین کی محبت کے لگائے ہوئے چمن کے پھولوں کو قدموں سے مسل دیتے ہیں پھر بھی ایک ماں اپنے بیٹے کو کبھی بددعا نہیں دیتی۔اگر کچھ کہتی بھی ہے، تو دل سے نہیں کہتی، بلکہ خداوند قدوس سے یہی دعا کرتی ہے کہ ’’اے میرے رب! تو ہمارے لعل کو، تو ہمارے لخت جگر کو، تو ہمارے نورِ نظر کو ہدایت کے ساتھ ہمیشہ سکون وراحت کی زندگی عطا کر۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ والدین کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے:

ان شکرلی ولو الدیك، میرا اور اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: **وقضی ربك ربك وبالوالدین احسانا** تیرے رب نے فیصلہ کردیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جاء رجل الی رسول الله ﷺ فقال: یارسول الله من احق الناس بحسن صحبتی قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك۔ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا، عرض کیا، یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تیری ماں پھر کون؟ فرمایا تیری ماں پھر کون؟ اسی طرح تین مرتبہ آپ نے ماں فرمایا۔ چوتھی بار فرمایا کہ تیرا باپ (متفق علیہ)

یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ آپ ﷺ نے ماں کا مرتبہ باپ سے تین گنا زیادہ فرمایا ہے کیوں کہ ماں ہی ایک ایسی ہستی ہے جس کے پیروں تلے جنت ہے۔آج ہم اس ماں کو جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے باپ کے مدمقابل تین گنا زیادہ مرتبہ دیا ہے، کو گالی دیتے ہیں اور مار پیٹ کر گھر سے بھگا دیتے ہیں۔اے نافرمان اولاد! لعنت ہو تم پر کہ تم نے ماں کو اُس کے خود کے گھر سے بھگا دیا۔دوسری جگہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

رغم انف ثم رغم انف ثم رغم انف من ادرك أبویه عندالکبر أحدهما او کلیهما فلم یدخل الجنة۔ اس کی ناک مٹی میں ہو، اس کی ناک مٹی میں ہو، اس کی ناک مٹی میں ہو جو اپنی ماں کو بڑھاپے میں پائے اور جنت میں داخل نہ ہو۔(رواہ مسلم)

والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنے والو! آگاہ ہوجاؤ کہ کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب نہ ہوگا۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، بستر مرگ پر تھے، سرکار دوعالم ﷺ کا آخری دیدار کرنا چاہتے تھے آپ نے ﷺ عبداللہ کے سرہانے جا کر فرمایا: اے عبداللہ پڑھ **اشھد أن لااله الا الله**۔مگر وہ نہیں پڑھ سکے۔آپ ﷺ نے اسی طرح تین مرتبہ پڑھنے کو فرمایا، مگر وہ نہ پڑھ سکے۔آپ ﷺ نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ دنیا میں ان کے اعمال کیسے

تھے اور ان کا مشغلہ کیا تھا؟ جواب دیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی قسم! جب سے انھوں نے مجھ سے نکاح کیا ہے، میں نہیں جانتی کہ سرکار علیك التحیة والثناء کے پیچھے، ان کی کوئی بھی نماز چھٹی ہو۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں انھوں نے صدقہ وخیرات نہ کی ہو۔ ہاں ان کی ماں ان سے ناراض ہے۔

آپ نے ان کی والدہ کو طلب فرمایا۔ فرمایا، اے ضعیفہ! اگر تم اپنے بیٹے کو معاف کردوگی تو تمہارا حق میرے ذمہ ہے۔ اس ضعیفہ نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ اور آپ کے اصحاب گواہ ہیں کہ میں نے اسے معاف کردیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عبداللہ سے کلمۂ شہادت پڑھواتے ہیں اور پڑھنے کے ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جاتی ہے۔ جب ان کی نماز جنازہ اور دفن سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! آگاہ ہوجاؤ کہ جو شخص اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گا، اسے دنیا سے کوچ کرتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا نصیب نہ ہوگا۔

کیا ہم جنت نہیں چاہتے؟ جنت تو ماں کے قدموں تلے ہیں، الجنة تحت اقدام امہات۔ اگر ہم جنت چاہتے ہیں، تو جس طرح ماں نے آپ کو بچپن میں پالا تھا، اسی طرح آج آپ بھی ان کی خدمت کیجئے۔

ماں کی ممتا: ماں اس کائنات کی زینت ہے۔ یہ محبت وشفقت اور قربانی کی ایک ایسی مقدس جھیل ہے، جس میں ادب کے موتی مسکراتے ہیں۔ ماں کا دل ایک ایسا نایاب گلستان ہے جس میں عقیدت کے پھول کھلتے ہیں۔ ماں کتنی شیریں اور مٹھاس لفظ ہے، اس میں کتنی محبت اور شفقت ہے، اس میں اس فانی کائنات کے رخسار پر صنف نازک کے خصوصاً چار، روپ ہیں (۱) ماں (۲) بہن (۳) بیوی (۴) بیٹی مگر ان چاروں میں ماں ہی کا ایک ایسا روپ ہے، جس میں محبت کے خوش رنگ رعنائیاں، جاں نثاری کی شگفتہ رنگینیاں اور شفقت کی بے لوث لوریاں مضمر ہیں۔

اس موقع پر مجھے دل کو دہلا دینے والا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ وہ یوں ہے کہ ایک دوست کے پاس اس کی والدہ کی وفات کا افسوس کرنے گیا، اس نے بتایا کہ

''میری ماں نے میری آسائشوں کی خاطر مجھ سے آٹھ جھوٹ بولی ہیں جس پر مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں کچھ نہ کرسکا۔'' وہ ایک غریب فیملی (Family) کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اکثر کھانے کو کچھ نہیں رہتا تھا۔ اگر کچھ مل بھی جاتا تو ماں اپنے حصے کا کھانا بھی اسے دے دیتی اور کہتی کہ ''تم کھالو مجھے بھوک نہیں'' یہ اس کی ماں کا پہلا جھوٹ تھا۔

جب تھوڑا بڑا ہوا تو ماں گھر کا کام ختم کرکے قریبی جھیل پر مچھلیاں پکڑنے چلی جاتی تھی۔ ایک دن اس کی ماں نے دو مچھلیاں پکڑلیں۔ انھیں جلدی جلدی پکایا اور اپنے بیٹے کے سامنے رکھ دیا۔ وہ کھاتا جاتا اور جو کانٹے کے ساتھ تھوڑا بہت لگا رہ جاتا، اسے ماں کھاتی۔ بیٹے نے دوسری مچھلی ماں کے سامنے رکھ دی۔ ماں نے واپس کیا کہ ''بیٹا تم کھالو مجھے مچھلی پسند نہیں'' یہ اس کی ماں کا دوسرا جھوٹ تھا۔

جب وہ اسکول جانے کی عمر کا ہوا، تو اس کی ماں نے ایک گورنمنٹ فیکٹری میں ملازمت اختیار کرلی۔ ایک رات، جب بارش زوروں پر تھی۔ وہ ماں کا انتظار کرتا رہا جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ ڈھونڈنے آس پاس کی گلیوں میں نکلا۔ دیکھا تو وہ لوگوں کے دروازوں پر کھڑی سامان بیچ رہی تھی۔ اس نے کہا ''ماں! اب بس کرو۔ سردی بھی بہت ہے، رات بھی ہوگئی ہے اور تم تھک بھی گئی ہو، باقی کل کر لینا۔'' ماں بولی ''بیٹا میں بالکل نہیں تھکی۔'' یہ اس کی ماں کا تیسرا جھوٹ تھا۔

ایک دن اس کا فائنل پیپر (Final Paper) تھا۔ اس کی ماں نے ضد کی، کہ وہ بھی اس کے ساتھ چلے گی۔ وہ اندر پیپر لکھ رہا تھا اور اس کی ماں باہر دھوپ کی تپش میں کھڑی اس کے لیے دعا کررہی تھی۔ بیٹا باہر آیا، تو اس کی ماں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ٹھنڈا جوس لے کر دیا۔ اس نے ایک گھونٹ پیا، اور ماں کے پسینے سے شرابور چہرے کی طرف دیکھ کر، اس کی طرف بڑھایا۔ ماں بولی ''بیٹا مجھے پیاس نہیں۔'' یہ اس کی ماں چوتھا جھوٹ تھا۔

اس کے باپ کی وفات ہوئی تو زندگی مزید مشکل ہوگئی۔ اس کے لیے گھر کا خرچ چلانا آسان نہ تھا۔ اکثر نوبت فاقوں تک آجاتی۔ رشتے داروں نے حالات دیکھ کر، ماں کو دوسری شادی کا مشورہ دیا مگر ماں نے کہا ''مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں' یہ اس کی ماں کا پانچواں جھوٹ تھا۔

گریجویشن (Graduation) مکمل کرنے پر اچھی ملازمت مل گئی، تو بیٹے نے سوچا کہ، اب ماں کو آرام کرنا چاہیے، بہت بوڑھی بھی ہوگئی ہے۔ اس نے ماں کو کام سے روک دیا۔ اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ اس کے لیے مختص کردیا۔ ماں نے انکار کردیا کہ ’’بیٹا! مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں‘‘ یہ اس کی ماں کا چھٹا جھوٹ تھا۔

حصول روزگار کے لیے وہ بیرون ملک چلا گیا، کچھ عرصے بعد ماں کو اپنے پاس بلایا تو ماں نے بیٹے کی تنگی کے خیال سے منع کردیا کہ ’’مجھے گھر سے باہر رہنے کی عادت نہیں۔‘‘ یہ ان کی ماں کا ساتواں جھوٹ تھا۔

کچھ سال بعد بوڑھی ماں کو کینسر ہوگیا۔ وہ اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ کر خون کے آنسوں رونے لگا۔ ماں اسے دیکھ کر مسکرائی اور روتے روتے بولی ’’مت رو بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ اس کی ماں کا آٹھواں جھوٹ تھا۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھی ماں نے ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

تیری ممتا کے قصیدے جتنے پڑھے جائیں کم ہے
جو ہو سر پہ تیرا آنچل تو کس بات کا ڈر غم ہے

مرزا ادیب اپنی کتاب ’’مٹی کا دیا‘‘ میں لکھتے ہیں کہ ’’ابا جی مجھے مارتے تھے، تو امی بچا لیتی تھی۔ ایک دن میں نے سوچا کہ ’’اگر امی جی پٹائی کریں گی تو ابا جی کیا کریں گے؟‘‘ یہ دیکھنے کے لیے میں نے ان کا کہنا نہیں مانا۔ انھوں نے بازار سے دہی لانے کو کہا، میں نے بات نہ مانی۔ انھوں نے سالن کم کردیا۔ میں نے زیادہ پر اصرار کیا تو انھوں نے کہا ’’پیڑھی پر بیٹھ کر کھاؤ‘‘ میں زمین پر دری بچھا کر اس پر بیٹھ گیا۔ لہجہ بھی گستاخانہ اختیار کررکھا تھا۔ مجھے پوری توقع تھی کہ امی ضرور ماریں گی مگر انھوں نے مجھے سینے سے لگا کر کہا ’’کیوں بیٹا؟ ماں صدقے جائے تم بیمار تو نہیں؟‘‘ اس وقت میرے آنسوں تھے کہ شرمندگی کے مارے رکنے میں نہیں آرہے تھے۔

میری ماں مجھ کو تیری دعا چاہیے
تیری آنچل کی ٹھنڈی ہوا چاہیے

بلاشبہ ماں کا وجود ایک نعمت اور اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی انسان کامیاب ہے تو اس کے پیچھے اس کی ماں ہی کا ہاتھ ہے، جس کا آج وہ ثمرہ پارہا ہے۔ ان کی ماؤں نے پال پوس کر ان پودوں کو تناور طاقت ور درخت بنایا ہے۔ اپنی ماؤں ہی کے طفیل آج یہ پیڑ، عمدہ رسیلا، میٹھا پھل دے رہا ہے۔ ان کی تربیت میں جو خوبیاں ہیں، وہ ان کی ماؤں ہی کی مرہون منت ہیں۔ ماں کا وجود صرف گھر کے لیے ہی نہیں بلکہ ہماری زندگیوں کے لیے بھی مقدس صحیفے کی مانند ہے۔ ماں تو تپتے صحرا میں ٹھنڈ بوند برسنے کا نام ہے۔ یہ کڑی چلچلاتی دھوپ میں ابر کی مانند ہے۔ یہ ایک خوشبو ہے، جس سے جہاں مہک اٹھتا ہے۔ یہ دعا ہے جو سدا سر پر رہتی ہے۔ اس کے بغیر گھر قبرستان کی طرح ہے۔ ان کی آنچلوں سے سخت سے سخت دل کو بھی موم کیا جاسکتا ہے۔ ان کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ماں میں اور پھول میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ ایک پھول ہے جس کے ٹوٹنے سے سارا جہاں ٹوٹ سکتا ہے۔

دعا ہے کہ جن حضرات کے والدین باحیات ہیں، خدا کرے ان کا سایہ ان کے سروں پر ہمیشہ سلامت رہے اور جو لوگ والدین کی نعمت سے محروم ہیں وہ اس دعا کا ورد کرتے رہا کریں:

رب ارحمهما كما ربيني صغيرا۔

☆☆☆

☆ دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، مالپورم، کیرلا

بزم سخن

حمد باری تعالیٰ

اندھیروں کے مسافر کو وہی نورِ سحر دے گا
وہی قطرے کے طالب کو حسیں لعل و گہر دے گا

زبان و دل کو پہلے کر لو پاکیزہ درودوں سے
یقیناً تیرا رب تیری دعاؤں میں اثر دے گا

ہے ہر ذرے میں اس کی کبریائی کے حسیں جلوے
وہی بس دیکھ پائے گا جسے نورِ بصر دے گا

خدائی فیصلے پر صابر و شاکر رہو ہر دم
وہی شجر تمنا میں حسیں برگ و ثمر دے گا

مجھے امید ہے لاتقنطوا من رحمۃ اللہ سے
میرا بھی دونوں عالم میں وہ بیڑا پار کر دے گا

مجھے امید ہے نعمتؔ کہ جب پھیلاؤں گا دامن
میری جھولی مرادوں سے میرا معبود بھر دے گا

نتیجۂ فکر: پھول محمد نعمتؔ رضوی، مظفر پوری
9431675135

رمضان المبارک

مرحبا رحمتیں ماہ رمضان کی — آفریں برکتیں ماہ رمضان کی
لوٹئے دولتیں ماہ رمضان کی — عام ہیں بخششیں ماہ رمضان کی
رونما ہے خوشی ہی خوشی ہر طرف — ہر جگہ رونقیں ماہ رمضان کی
اہل ایماں کے سینوں میں آباد ہیں — عظمتیں چاہتیں ماہ رمضان کی
ہو نہ برباد غفلت میں اے مومنو! — قیمتی ساعتیں ماہ رمضان کی
اس کی خاطر بہشت سجائی گئی — مرحبا وُقعتیں ماہ رمضان کی
قید ہیں وہ جو سرکش شیاطین ہیں — خاص ہیں راحتیں ماہ رمضان کی
اس نے برباد ہونے کا ساماں کیا — جس نے توڑی حدیں ماہ رمضان کی
صبر کے دن ہیں راتیں عبادت کی ہیں — قدر، ہر پل کریں ماہ رمضان کی
نکہتیں مشک و عنبر کی شرما گئیں — پھیلی جب خوشبوئیں ماہ رمضان کی
وقت افطار کس درجہ پر کیف ہے — جاں فزا محفلیں ماہ رمضان کی
اللہ اللہ یہ منظر تراویح کا — روح پرور صفیں ماہ رمضان کی
کیجئے لیلۃ القدر کی جستجو — جاگ کر کچھ شبیں ماہ رمضان کی
ماہ رمضان ہے جشن قرآن ہے — ان گنت حکمتیں ماہ رمضان کی
کس قدر ہم پہ احسان ہے اللہ کا — کیں عطا ساعتیں ماہ رمضان کی
اے خدا بخش دے اے خدا بخش دے — بخش دے بخششیں ماہ رمضان کی
یہ زمیں کیا ارشد آسمانوں میں بھی — فرحتیں شہرتیں ماہ رمضان کی

نتیجۂ فکر: محمد ارشد نعیمی قادری لکھرالوی بدایونی 9897324355

ترانۂ رمضان المبارک

خدائے پاک کا انعام رمضان المبارک ہے
بہارِ خلد کا پیغام رمضان المبارک ہے
نئی قوت عطا ہوتی ہے اِس سے اہل ایماں کو
بنائے شوکت اسلام رمضان المبارک ہے
فضیلت میں ہیں دیگر ماہ بھی اپنی جگہ لیکن
نہایت قابل اکرام رمضان المبارک ہے
مکمل طور سے ہے خیر و برکت کا یہ سرچشمہ
علاج گردش ایام رمضان المبارک ہے
جو اِس میں پاس کر جائے وہ رب سے مغفرت پائے
کہ بندوں کے لئے اکرام رمضان المبارک ہے
گنہ گاران امت، تشنگان زہد کی خاطر
سراپا مغفرت کا جام رمضان المبارک ہے
نہ کیوں کر شادمانی روزہ داروں کے قدم چومے
کہ تریاق غم و آلام رمضان المبارک ہے
طہارت، زہد، تقوی، تزکیہ اور پارسائی کا
حسیں مجموعۂ احکام رمضان المبارک ہے
اسے گوہر جس میں قرآن مقدس بھی ہوا نازل
اسی ماہ مکرم کا نام رمضان المبارک ہے

نتیجۂ فکر: محبوب گوہر اسلام پوری

مفہوم سمجھ لو رحمت کا

قرباں میں اُن کی بخشش کے مقصد بھی زباں پر آیا نہیں
بِن مانگے دیا اور اتنا دیا، دامن میں ہمارے سمایا نہیں

آواز، کرم دیتا ہی رہا، تھک ہار گئے لینے والے
منگتوں کی ہمیشہ لاج رکھی، محروم کوئی لوٹایا نہیں

رحمت کا بھرم بھی تم سے ہے، شفقت کا بھرم بھی تم سے ہے
ٹھکرائے ہوئے انساں کو بھی تم نے تو کبھی ٹھکرایا نہیں

وہ رحمت کیسی رحمت ہے، مفہوم سمجھ لو رحمت کا
اُس کو بھی گلے سے لگایا ہے جسے اپنا کسی نے بنایا نہیں

ایمان مِلا اُن کے صدقے، قرآن مِلا اُن کے صدقے
رحمٰن ملا اُن کے صدقے، وہ کیا ہے جو ہم نے پایا نہیں

خورشید قیامت کی تابش، مانا کہ قیامت ہی ہو گی
ہم اُن کے ہیں گھبرائیں کیوں، کیا ہم پہ نبی کا سایا نہیں

ہمدم ہیں وہی معذوروں کے غمخوار ہیں سب مجبوروں کے
سرکارِ مدینہ نے تنہا کس کس کا بوجھ اُٹھایا نہیں

وہ غارِ حرا کی خلوت ہو یا جلوتِ قرب او ادنیٰ
سرکار نے اپنی اُمّت کو رکھا ہے یاد، بھلایا نہیں

اُن کا تو شعار کریمی ہے، مائل بہ کرم ہی رہتے ہیں
جب یاد کیا ہے صلے علیٰ، وہ آ ہی گئے، تڑپایا نہیں

اس مُحسنِ اعظم کے یُوں تو خالدؔ پہ ہزاروں اِحساں ہیں
قربان مگر اس اِحساں کے اِحساں بھی کیا تو، جتایا نہیں

☆☆☆

پیش کش: کامل احمد نعیمی کٹیہاری
رابطہ نمبر: 9717615318

دستورِ زندگی

اشکِ توبہ سے، ہر اک آنکھ کو دھویا جائے
دامن دل کو، ندامت سے بھگویا جائے

چشمِ ہستی پہ نہ ہو، کوئی حجابِ غفلت
اپنی کوتاہی اعمال پہ، رویا جائے

مسجدِ دل میں ہوں،، بیدار اذاں کے نغمے
جب بھی ہو وقت عبادت، تو نہ سویا جائے

انقلاب آئے طبیعت میں ہمیشہ کے لیے
جوشِ رمضان کو، فطرت میں سمویا جائے

جس سے ہر سانس میں ہو یادِ خدا کی تسبیح
دل کے دھاگے میں گُہر، ایسا پرویا جائے

تا کہ اعمال میں آئے نہ، ریا کی خشکی
بحرِ اخلاص میں، ہستی کو ڈبویا جائے

جسکے پھولوں میں تکبر کا کوئی رنگ نہ ہو
بیج ایسا، چمنِ فکر میں بویا جائے

اے فریدی، چلو مصروفِ عبادت ہو جائیں
غفلتوں میں یونہی، یہ وقت نہ کھویا جائے

یوم بدر

جہادِ راہِ حق میں ہیں مقدّم تین سو تیرہ
یہی ہیں آبروئے دینِ اکرم تین سو تیرہ

مقامِ بدر میں، اسلام کی عظمت بچانے کو
کفن باندھے تھے اصحابِ معظم تین سو تیرہ

ہمارے دین و مذہب کے نشاں مٹ چکے ہوتے
نہ لہراتے، اگر ملت کا پرچم تین سو تیرہ

نہ دیکھی چشمِ عالم نے کبھی طرزِ وفا ایسی
کہ نکلے دم، مگر ہونگے نہ سرخم تین سو تیرہ

محبت آشنائی آج تک ہے لاجواب ان کی
بنے ہیں افتخارِ بزمِ آدم تین سو تیرہ

صحابہ میں الگ ہی شان ہے بدری صحابہ کی
وفا کی راہ میں ہیں سب سے اعظم تین سو تیرہ

کہا سرکار نے جس کو بھی جانا ہے چلا جائے
تو بولے یک زباں ہوکر وہ باہم تین سو تیرہ

نہیں ہیں قوم موسیٰ کی طرح ہم بیٹھنے والے
تری ناموس پر، قربان ہیں ہم تین سو تیرہ

مدارِ شوکت اسلام ہیں، قربانیاں ان کی
یقیناً ہیں ستونِ دینِ محکم تین سو تیرہ

خدا نے اُن کو لَا خَوفٌ کے ایسے تاج بخشے ہیں
رہیں گے تا ابد مسرور و بےغم تین سو تیرہ

سراسر پیکرِ اسلام، ہستی بن گئی ان کی
بقائے حق کے جلوؤں میں ہوئے ضم تین سو تیرہ

کیا عشقِ رسالت نے، ہلال لازوال ان کو
خدا کے فضل سے ہونگے نہ مدھّم تین سو تیرہ

مقامِ بدر، پہلا کربلا ہے حق پرستوں کا
قیامت تک ہیں اہلِ حق کے ہمدم تین سو تیرہ

شہیدانِ محبت اُس جگہ آرام فرما ہیں
ابھی تک بدر کی وادی ہے پُرنم تین سو تیرہ

ضیائے عشق ان کی قبر سے اب بھی نکلتی ہے
کہ ہیں ایماں کے خورشیدِ مکرم تین سو تیرہ

نبی کے دشمنوں پر اُن کے حملے اب بھی جاری ہیں
ہر اک باطل پہ ہیں تا حشر برہم تین سو تیرہ

فریدی ان کی جرأت کو فرشتوں نے سلامی دی
برائے حق، ہوئے ایسے منظم تین سو تیرہ

نتیجۂ فکر

(مولانا) محمد سلمان رضا صدیقی فریدی مصباحی، بارہ بنکوی، مسقط عمان

شب قدر

مقدس ، مقرب شب قدر ہے
بہت عالی منصب ، شب قدر ہے
معلم ہیں قرآن کی آیتیں
ہدایت کا مکتب شب قدر ہے
نہیں اِس کا رستہ بھی ، منزل سے کم
چلو ڈھونڈھ لیں، کب شب قدر ہے
شبِ بست و ہفتم کو ہے فوقیت
کہ یہ رات اغلب ، شب قدر ہے
سَرِ بندگی ، بس جھکا ہی رہے
رہیں سب مؤدب ، شب قدر ہے
بدوں پر عنایت کی ہے خاص رات
کہ نیکوں کی ہر شب،شب قدر ہے
جو نادم ہوئے ، ان کی بخشش ہوئی
یہ نسخہ مجرب شب قدر ہے
فریدیؔ ، جبیں اپنی سجدے میں رکھ
یہی سب سے انسب، شب قدر ہے

☆☆☆

نصابِ عشق و وفا سیدہ خدیجہ ہیں
قرارِ شاہِ دَنا سیدہ خدیجہ ہیں
خدیجہ ہی ہیں بلاشبہ جدّۂ سادات
بِنائے آلِ عبا سیدہ خدیجہ ہیں
لٹا دیں دولتیں اسلام کی بقا کے لیے
معینِ دینِ ھدیٰ سیدہ خدیجہ ہیں
درِ کرم سے کوئی بھی نہیں گیا خالی
کمالِ جود و سخا سیدہ خدیجہ ہیں
حرا پہ توشہ لیے ان کا دم بدم جانا
کمالِ حلم و رضا سیدہ خدیجہ ہیں
کہ جن پہ عرش سے تسلیمِ حق ہوئی نازل
پسند ذاتِ خدا سیدہ خدیجہ ہیں

الوداع

رمضان المبارک رخصت ہو رہا ہے

کاش رک جائیں یہیں بزم ارم کے لمحے | نہ کبھی ختم ہوں یہ ناز و نِعَم کے لمحے
تھروں کو بھی گُہر کر گئی جس کی تاثیر | حاصل عمر ہیں یہ چشم کرم کے لمحے
اے رمضان کے ماہ و نجوم الوداع | بہشت کرم کی رُسوم الوداع
ابھی کس طرح تجھ کو رخصت کروں | ابھی تو ہوا تھا قدوم الوداع
نگاہ عقیدت ، ہے اشکوں سے تر | غموں کا ہے دل میں ہجوم الوداع
کشادہ ہے دروازۂ درد دل | بھرے جا رہے ہیں ہموم الوداع
سکھایا بہت کچھ ترے وعظ نے | اے ہادی ! اے بحر العلوم الوداع
فریدی بھی تجھ سے ہوا مستفیض | سخیِ کثیر الرقوم الوداع

سچے مومن کی عید

غریبوں کی نصرت ، مری عید ہے | یتیموں پہ شفقت مری عید ہے
میرا کام ہے ، بس خوشی بانٹنا | خلائق سے الفت ، مری عید ہے
لو آؤ ! مل کر عبادت کریں | کہ نیکی کی دعوت مری عید ہے
رہے مومنوں میں سدا ، اتحاد | پیام اخوت مری عید ہے
عدو پر ہوں بُنیانِ مَرصوص سب | کہ ربط جماعت مری عید ہے
نہ ہو اہل حق میں کوئی انتشار | یہ کوشش ، یہ محنت مری عید ہے
ہمیشہ بڑوں کا ادب چاہیے | کہ حسن عقیدت مری عید ہے
سبھی اہل سنت کا ، میں خیر خواہ | سبھی سے عقیدت مری عید ہے
رضائے الٰہی کی ہر دم تلاش | عبادت ریاضت میری عید ہے
اگر رد ہوئے ہیں تو مجھ کو وعید | عمل کی اجابت میری عید ہے
نہ ہو کوئی احساس ، تو میں ہلاک | خطا پر ندامت میری عید ہے
میرے دل میں ہر دم ہے مولی کا ڈر | کہ خوف و خشیت میری عید ہے
نہ ہو خواہش نفس بد ، کامیاب | گناہوں سے نفرت میری عید ہے
بتانے سے پہلے ، عمل بھی تو کر | کہ خود کو نصیحت ، میری عید ہے
میرے باغ فطرت میں نرمی کے پھول | معافی ، مروت میری عید ہے
فریدی ، خلوص جگر یونہی رکھ | یہ رنگ طبیعت میری عید ہے

نتیجۂ فکر: (مولانا) محمد سلمان رضا صدیقی فریدیؔ مصباحی مسقط، عمان

معروف نعت گو شاعر حضرت نازاںؔ فیضی گیاوی انتقال فرما گئے

ممتاز ادیب وشاعر حضرت نازاںؔ فیضی مورخہ ۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ بمطابق ۹ مئی ۲۰۱۷ء بروز منگل ساڑھے بارہ بجے شب میں پٹنہ کے ایک مقامی اسپتال میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ گزشتہ کئی سالوں سے عارضۂ قلب میں مبتلا تھے اور اپولو اسپتال رانچی سے مسلسل علاج کرواتے رہے۔ حضرت نازاں فیضی ایک کہنہ مشق شاعر، ایک پختہ قلم نثر نگار، صائب الرائے تنقید نگار تھے، انھیں نثر اور نظم دونوں اصناف سخن پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے ۱۹۸۵ء کے عشرے میں کلکتہ سے شائع ہونے والے اخبار ''آزاد ہند'' میں مسلم پرسنل لا کے دفاع میں کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر انجم قدر کی ہفوات گوئی کا حددرجہ عملی اور منطقی مواخذہ کیا جسے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے بے حد پسند فرمایا تھا۔ حضرت نازاں فیضی کا خاندانی تعلق خانقاہ بیت الانوار گیوال بیگھا گیا، بہار کے مورث اعلیٰ انوار عالم حضرت مولانا الشاہ نور الہدیٰ قادری گیاوی علیہ الرحمہ سے تھا۔ حضرت نازاںؔ فیضی حضرت شاہ نور الہدیٰ کے برادر اکبر حضرت صوفی الحاج محمد امیر الدین زمین دار موضع محمد پور کے حقیقی پوتے تھے۔ حضرت نازاں فیضیؔ اپنی افتادِ طبع میں بے حد شفیق، مخلص، عجز وانکسار کے ملک، نماز پنج گانہ کے پابند، اپنی نجی زندگی میں تقویٰ شعار انسان تھے۔ نماز جنازہ خانقاہ بیت الانوار گیوال بیگھا کے وسیع میدان میں ان کے صاحبزادے مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد فروغ القادری رکن ورلڈ اسلامک لندن (انگلینڈ) نے پڑھائی۔ پرہجوم شرکائے جنازہ نے اپنی اشک بار آنکھوں سے نعت گو شاعر اور دین وسنیت کے دفاع میں اپنی متاع لوح وقلم کے ساتھ تیار رہنے والے عظیم عاشق رسول کے لیے دعائے مغفرت کی۔ حضرت نازاں فیضی گیاوی کو ان کی وصیت کے مطابق ان کے عم گرامی استاذ العلما شیخ طریقت حضرت الشاہ مولانا فیضان الہدیٰ قادری علیہ الرحمہ کے قدموں میں ۱۰ مئی بروز بدھ بعد نماز مغرب سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت نازاں فیضی گیاوی کے نعتیہ اشعار، تجزیے اور حساس موضوعات پر ان کے مضامین اہل سنت کے تمام مؤقر جرائد ورسائل خاص کر ماہنامہ کنز الایمان دہلی، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف اور ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ رب کریم ان کی قبر پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے اور اپنی خصوصی مغفرت سے نوازے۔ (آمین) اہل سنت وجماعت کے ممتاز علما ومشائخ نے ان کے وصال پر گہرے دکھ درد کا احساس کیا ہے اور اپنی تعزیت پیش کی جن میں سے حضرت مولانا محمد سبحان رضا خان سبحانی میاں قبلہ بریلی شریف، عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، حضرت مولانا محمد انس نورانی کراچی پاکستان، حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی انگلینڈ، حضرت علامہ شاہد رضا نعیمی لندن، حضرت علامہ بدر القادری ہالینڈ، حضرت علامہ قاری محمد اسماعیل مصباحی انگلینڈ، مولانا ارشد مصباحی، حضرت مولانا محمد عرفان میاں، مولانا سید محمد صباح الدین چشتی، حضرت مولانا سید رضا علی چشتی قادری اجمیر شریف، مولانا محمد اقبال مصباحی انگلینڈ کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ وفات سے قبل علالت کے دوران حضرت نازاں فیضی گیاوی صاحب نے کسی وقت یہ نظم کہی تھی جس کے تیور سے محسوس ہو رہا ہے کہ انھیں اپنے آخری دنوں کا احساس ہو گیا تھا۔

یوں تو مجھ کو قضا لے گئی قبر میں — میرے شامل گئی زندگی قبر میں
دیکھ کر یہ نکیرین کہنے لگے — سونے دو! ہے غلام نبی قبر میں
جب فرشتوں کا اصرار بڑھنے لگا — تو پڑھی میں نے نعت نبی قبر میں
چاند جو آمنہ کا مدینے میں ہے — ہے اسی چاند کی چاندنی قبر میں
پھول چادر سے ظاہر تو ہو ہی گیا — عام انساں نہیں ہے ولی قبر میں
فاتحہ کے لیے بھی تم آئے نہیں — دیکھ لی دوست کی دوستی قبر میں
وہ تو کہئے کہ جھم جھم برسنے لگی — آمد مصطفیٰ کی خوشی قبر میں
ہے لحد غنچہ وگل سے آراستہ — خلد کی بھی ہے ایک پنکھڑی قبر میں
مجمع عاشقاں ہے سمندر نما — جارہا ہے کوئی جنتی قبر میں
کچھ نہ پوچھو خوشی جب نظر آگئی — مجھ کو طیبہ کی نازاںؔ گلی قبر میں

اسیر غم سوگوار ابن نازاں، محمد شاہد رضا ازہری، گیا (بہار)

اعلیٰ حضرت کی ڈھائی سو کتابیں اور رسائل ساٹھ (۶۰) جلدوں میں

امام احمد رضا اکیڈمی نے فتاویٰ رضویہ کی ترتیب واشاعت کے بعد رضویات کے موضوع پر ایک قابل قدر کام کا آغاز کر دیا ہے جو عرس رضوی سے قبل انشاء المولیٰ تعالیٰ منظر عام پر آ جائے گا۔ یعنی اعلیٰ حضرت کے ڈھائی سو رسائل اور کتابوں کے مختصر تعارف وخلاصے، جدید ترتیب، تخریج اور ترجمہ پر کام چل رہا ہے جن کو ساٹھ جلدوں میں منظر عام پر لایا جائے گا۔ اس کے علاوہ رضویات پر دیگر کام بھی ہیں جو اکیڈمی میں انجام دیے جا رہے ہیں۔ تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں۔ واضح رہے کہ فتاویٰ رضویہ کے دو ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں یعنی رنگین اور سادہ۔ اور اب ان کے عام ہدیے اور رعایتی ہدیے اس طرح ہیں:

فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲ر جلدیں

فور کلر، آرٹ پیپر، خوبصورت جلدیں، جدید ترتیب، تخریج اور تحقیق

عام ہدیہ : 16000/- رعایتی: 6000/-

سادہ طباعت، عمدہ کاغذ، خوبصورت جلد، جدید ترتیب، تخریج اور تحقیق

عام ہدیہ : 14000/- رعایتی: 5000/-

Bank of Baroda	State Bank of India
IMAM AHMAD RAZA ACADEMY	**IMAM AHMAD RAZA ACADEMY**
A/c No. 23550100009263	A/c No. 36025492533
IFSC Code- BARD 0 DAURAG	IFSC Code- SBIN0003269

- سید صاحب 8410236467
- حافظ ضمیر 9760381629
- قمر الزماں 9259476608
- محمد اویس قرنی 9634401427

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر رامپور روڈ، بریلی شریف۔ پن نمبر: 243502